شیخ عبداللہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۱ء تک

۲ جنوری ۱۹۶۸ء کو حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف وہ حکم واپس لے لیا جس کی رو سے آپ پر اور آپ کے رفقاء پر سات مئی ۱۹۶۵ء سے ریاست میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ اور آپ ۳۷ ماہ کی جلا وطنی گذارنے کے بعد چار مارچ ۱۹۶۸ء کو واپس سری نگر لوٹے۔ اس کے بعد ۹ جنوری ۱۹۷۱ء تک جس روز ریاست کی حدود میں آپ کا داخلہ پھر سے ممنوع قرار دیا گیا' آپ نے مختلف جلسوں اور اخبار نویسوں کے ساتھ ملاقاتوں میں لگاتار حق خودارادیت اور رائے شماری کے حصول اور استعمال کے مطالبات کئے۔

شیخ عبد اللہ نے بھارتی جن سنگھ کے ترجمان " آرگنائزر" کو ایک خصوصی انٹرویو دیا۔ اخبار نویس کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کشمیر کا ایک الگ مقدمہ کیوں بناتے ہیں' اور اسے مرکز اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کے عظیم تر معاملے کا حصہ کیوں نہیں قرار دیتے؟ شیخ عبد اللہ نے کہا کہ " دوسرے لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ ان کا اپنا کام ہے' میں وہی کچھ کر رہا ہوں جو کشمیر کے لئے بہتر سمجھ رہا ہوں اور مجھے ایسا کرنے کا حق ہے"

۱۹ جنوری ۱۹۶۸ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے عظیم اجتماع میں شیخ عبد اللہ نے ہندی مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

آپ کے اور ہمارے درمیان الحاق عارضی ہے۔ یہ فیصلہ کشمیری کریں گے کہ وہ ہندوستان میں جائیں گے یا پاکستان میں یا ایک آزاد حیثیت اختیار کریں گے "۔

۳۰ جنوری ۱۹۶۸ء کو آپ مرکزی جمعیت العلمائے ہند مسجد عبدالنبیؐ میں دیئے گئے ایک استقبالیہ میں شریک ہوئے آپ نے جمعیت کے سپاسنامے کے جواب میں اور باتوں کے علاوہ دستاویز الحاق کا بھی ذکر کیا اور کہا:

دستاویز الحاق پر ایک کمیٹی نے غور کیا' جس میں مونٹ بیٹن' شری نہرو' سردار پٹیل اور میں شریک تھے سوال یہ تھا کہ اس کو منظور کیا جائے یا نہیں اول تو یہ کہ یہ دستخط مجبوراً" کئے گئے تھے' اور پھر سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ یا پاکستان کی مخالفت میں دستخط کئے گئے تھے۔ ہندوستان سے ملنے کا تصفیہ انہوں نے نہیں کیا تھا۔ بس طے پایا تھا کہ جب امن ہو جائے۔ حالات عام دنوں جیسے ہو جائیں۔ تب عوام

سے الحاق کی تائید کرائی جائے اور اس کے بعد ہی اس کو قطعی سمجھا جائے۔ یہ شرط تھی ہند سے ہمارے الحاق کی شری نہرو نے اپنی تقریروں میں' پارلیمنٹ میں اپنے بیانات میں اس بات کو تسلیم کرلیا"

۴ مارچ ۱۹۶۸ء کو سری نگر پہنچنے پر شیخ عبداللہ نے مجاہد منزل سری نگر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے حق خودارادیت پر اپنے عزم و ایمان کا اعادہ کرتے ہوئے کہا:

" میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے نصب العین کے حصول کے لئے میں اور میرے ساتھی اپنی جانیں تک نذر کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کریں گے۔ اگر ہم نے اپنے موقف پر کسی قسم کی سودا بازی چاہی ہوتی' تو ہمیں چودہ سال کی طویل مدت تک جیل میں رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی"۔

" انہیں محسوس کرنا چاہئے کہ جو کوئی قدم بھی وہ اٹھائیں گے' لیکن وہ کشمیری عوام کے اس حق سے کھیلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ بلکہ انہیں یہ حق دینا ہی پڑے گا ہمیں اس کا کوئی غم نہیں کہ اس جدوجہد میں ہمیں بیس برس لگتے ہیں یا سوسال۔ اگر اس جدوجہد میں خود شیخ عبداللہ کی جان بھی جاتی ہے تو اس کی خاکستر سے لاکھوں شیخ عبداللہ پیدا ہوں گے۔ جو اس حق کے حصول کے لئے جدوجہد کریں گے"۔

۱۰ مارچ ۱۹۶۸ء کو عیدالاضحیٰ کی مقدس تقریب پر شیخ عبد اللہ نے یوں خبردار کیا

:

" کسی تنظیم کو یا چند افراد کو کرسی اقتدار پر بٹھانے سے کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ حصہ نہیں بن سکتا"۔

۱۵ مارچ ۱۹۶۸ء کو حضرت بل سری نگر کے پلیٹ فارم سے شیخ عبد اللہ نے بلند آواز سے کہا:

" ہم صرف اتنی سی بات کہہ رہے ہیں کہ کشمیر ہمارا ملک ہے اور ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں کہ آیا ہم پاکستان کے ساتھ الحاق کریں یا ہند کے ساتھ۔ یا ہم آزاد رہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ہند یا پاکستان ہمیں اپنی پسند کے مطابق اپنا مستقبل طے کرنے سے روک نہیں سکتا۔"

۱۶ مارچ ۱۹۶۸ء کو سری نگر اسلام آباد سڑک پر واقع قصبہ بیج بہاڑہ میں شیخ

عبداللہ نے کہا:

..... اس لئے ہم بھارت اور پاکستان دونوں سے کہہ رہے ہیں کہ وہ ہمارے اس حق پر اتفاق کریں جس کی رو سے ہمیں اپنا مستقبل آپ طے کرنے کا اختیار ہے۔ ہندوستان کو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں کشمیر پاکستان میں شامل نہ ہوجائے۔ لیکن کشمیر کسی کی جائیداد نہیں ہے یہ کشمیری عوام کی ملکیت ہے۔ جو ۱۹۳۱ء سے ظلم و ستم کے خلاف ایک پیہم جدوجہد میں مصروف ہیں"۔

۲۰ مارچ ۱۹۶۸ء کو نیڈوز ہوٹل سری نگر میں سری نگر بار ایسوسی ایشن کی طرف سے دیئے گئے ایک ایٹ ہوم (AT HOME) پر سوالات کا جواب دیتے ہوئے مسئلہ کشمیر میں پاکستان کی فریقانہ حیثیت پر یوں جرح کی:

"انڈیا کا دعویٰ یہ ہے کہ پاکستان کشمیر کے سوال میں کوئی فریق نہیں ہے۔ اگر پاکستان مسئلہ کشمیر میں کوئی فریق نہیں ہے' پھر حاجی پیر کیوں پاکستان کو واپس کر دیا گیا۔ جب کہ بھارت کا دعویٰ تھا کہ حاجی پیر مملکت ہند کا ایک حصہ ہے"۔

شیخ عبداللہ کے دست راست مرزا محمد افضل بیگ نے ۱۵ فروری ۱۹۶۸ء کو "تقاریر شیر کشمیر" کے عنوان سے ایک کتابچہ جاری کرتے ہوئے اپنے پیش لفظ میں لکھا:

..... یہ کہنا کہ مسئلہ کشمیر میں پاکستان کوئی فریق نہیں ہے' بے سود بات ہے' اور تاریخ اور واقعات سے آنکھیں موندھنے کے مترادف ہے۔ پاکستان اس مسئلہ میں سراسر فریق ہے اور موثر فریق رہا ہے۔ جنگ بندی کا معاہدہ کس سے کیا گیا تھا۔ سیکورٹی کونسل کی قراردادوں' فیصلوں اور تاشقند معاہدے میں کون فریق تھا اور کس نے دستخط کئے تھے۔ ان ٹھوس حقائق کی موجودگی میں یہ بات کیسے قبول ہو گی۔ کہ پاکستان کو مسئلہ کشمیر میں کوئی دخل نہیں ہے۔ ہم تاریخ کو کیسے مٹا سکتے ہیں۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ ایک انگریزی کہاوت ہے کہ اگر کبھی ہم احمقوں کی طرح سوچیں بھی لیکن احمقانہ فعل نہیں کرنا چاہئے اس دعوے کا حوالہ دیتے ہوئے کہ کشمیر ایک طے شدہ معاملہ ہے' اور اس پر کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی' شری ونو بھاوا جی نے ۶۵ء میں کہا تھا کہ کشمیر فیصلہ شدہ مسئلہ اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے' جب ہند' پاکستان' کشمیری عوام اور دنیا بھر یہ تسلیم کرے کہ یہ مسئلہ طے ہو گیا' مجلس اقوام کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ نے بھی یاد دلایا ہے کہ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں بدستور موجود ہے۔ تب ہمیں خود فریبی میں مبتلا ہو کر سیمرغ کی چال نہیں چلنا چاہئے۔ پاکستان کشمیر کے

دروازے پر ہے' اور بیس برس سے کشمیر کے ساتھ ہندوستان نے اپنے عمل سے وابستہ رکھا ہے۔ کیا گزشتہ بیس برس میں پاکستان کو بحیثیت فریق ہندوستان فراموش کرنے میں خود کامیاب ہوا ؟ حقیقتیں بے رحم سہی' مگر ناقابل فراموش نہیں"

سٹیٹ پیپلز کنونشن اور محاذ رائے شماری

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو مجاہد منزل سری نگر میں جموں و کشمیر سٹیٹ پیپلز کنونشن کے اجلاس میں شیخ عبداللہ کے داماد' وزیر خوراک و سپلائی' خواجہ غلام محمد شاہ نے محاذ رائے شماری کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے "مسئلہ کشمیر اور اس کا حل" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا' جس میں وہ اپنے موقف کی قطعیت اور صداقت کو یوں پیش کرتے ہیں۔

" مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مختلف لوگوں کی طرف سے مختلف تجویزیں پیش کی جا چکی ہیں۔ ہند اور پاکستان کشمیری باشندوں کا رائے شماری کا حق مان چکے ہیں اور ان کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ساری دنیا کے سامنے انہوں نے اس معاملے میں عہد کیا ہے۔ اس لئے کوئی فریق بھی کشمیریوں کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کر سکتا۔ کچھ مخصوص لوگوں کی طرف سے یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ مسئلہ حل کرنے کا یہ طریقہ حالیہ واقعات کی بدولت قابل عمل نہیں رہا۔ تب ہمیں چاہئے کہ ہم برصغیر میں امن اور خوش حالی قائم کرنے کے لئے ایسا کوئی اور حل ڈھونڈیں۔ جس سے یہ مسئلہ طے ہو' اور عوام کا حق خود ارادیت بھی قائم رہے' اس مسئلہ کے حل کے لئے مختلف قسم کی قابل عمل اور ناقابل عمل تجویزیں پیش ہوئی ہیں۔ کچھ تجویزوں میں حالات کو جوں کا توں رکھنے کی حمایت کی گئی ہے۔ لیکن اس تجویز پر تو ہم مسلسل بیس سال سے عمل کرتے آئے ہیں اور یہ طریقہ کلیتاً" ناکام رہا ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ۵۳ء کو ایک بار پھر دہرایا نہ جائے گا۔۔۔ ؟ کیا ریاستی عوام اس پوزیشن کو تسلیم کریں گے ؟ کیا پاکستان جو اس معاملہ میں ہندوستان سے بھی زیادہ فریق ہے اس تجویز کو ماننے پر تیار ہوگا؟ یہ ایک سخت اور تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان کے ساتھ ریاست کے جغرافیائی' تہذیبی مذہبی اور لسانی روابط ہندوستان سے کہیں زیادہ ہیں کہ کشمیر اور ہندوستان کے درمیان کوئی بات چیت پاکستان کو نظر انداز کرکے نہیں کی جا سکتی۔ پاکستان کو نظر انداز کرنا نہ صرف ایک نیا فریب ہے بلکہ اس کی

بدولت دونوں ملکوں کے درمیان اتحاد کی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ تاہم معاملات میں بعض اوقات طلسمی تبدیلی ہو جایا کرتی ہیں ۔ ۱۹۴۷ء میں اس جادو نے خود کشمیر پر ایسا اثر ڈالا کہ اس کی وجہ سے کشمیر بخوشی اور خود ہندوستان سے جا ملا۔ کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ طلسمی ڈنڈا شیر کشمیر اور اس کے لوگوں کے لئے ظلم وجبر کا ڈنڈا بن جائے گا۔ اس لئے ہندوستان کے آئین کی حدود میں کوئی بھی معاملہ عوام اور ان کی ترقی و خوشحالی کے لئے پرفریب ہو گا اور اگر اسے منظور کر لیا گیا تو یہ عوام کے ساتھ نئی دغا بازی ہو گی۔

یہ تجویز کہ اول ہندوستان اور کشمیر باہمی گفت و شنید کریں' اور جب کوئی طریقہ کار متعین ہو جائے۔ تب پاکستان کو بھی مشوروں میں شریک کر لیا جائے' ایک دوسرا جال ہے جس سے میں آپ سب کو باخبر رکھنا چاہتا ہوں۔ اس تجویز کو فوراً" سے پہلے مسترد کر لینا چاہئے۔ گفت و شنید کے آغاز سے ہی پاکستان کو ایک مکمل فریق کی حیثیت سے شامل کیا جانا چاہئے۔ یہاں میں ایک حدیث کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں

لا یلدغ المئومن من جحرٍ مرّتین

(مئومن دو بار ایک ہی سوراخ سے ڈسا نہیں جاسکتا)

یہ کہنا تو احمقانہ ہے کہ انتخابات رائے شماری کا بدل ہو سکتے ہیں۔ جب تک یہ مسئلہ ہند اور پاکستان کے درمیان موجود ہے کشمیر میں آزادانہ انتخابات ممکن ہی نہیں ہیں' اور نہ حکومت ہند ہی اس کی اجازت دے گی۔ کیونکہ اسے اس بات کا خوف ہے کہ اگر عوام کے صحیح نمائندے منتخب ہو گئے تو اٹوٹ انگ کی رٹ ناپید ہو جائے گی۔

یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگر کشمیر ہندوستان کا حصہ رہتا ہے تو ترقی پسند عناصر کو تقویت ملے گی۔ کیا میں ان نام نہاد ترقی پسند عناصر سے پوچھ سکتا ہوں کہ ۵۳ء میں انہوں نے ایک رجعت پسندانہ کھیل کیوں کھیلا تھا؟ بجائے اس کے کہ وہ ہماری مدد کرتے' عوام کی خواہشات اور جذبات کو سمجھتے اور محسوس کرتے' انہوں نے ہمیں دھوکہ دیا' اور ہمیں رجعت پسند بھیڑیوں کے غار میں دھکیل دیا۔ اب یہ دلیل بہت فرسودہ ہو چکی ہے۔ بقول ان دوستوں کے کہ پاکستان ایک فرقہ پرست اور رجعت پسند ملک ہے تو پھر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہند کی بہ نسبت پاکستان کو ہماری زیادہ

ضرورت ہے۔ ہمیں پاکستان میں ترقی پسند اور سیکولر رجحانات کو مستحکم کرنا چاہئے' تاکہ ایک پائدار اور حقیقی دوستی کا مقصد حاصل کیا جا سکے۔

یہ دلیل بھی دی جا رہی ہے کہ اگر رائے شماری ہوئی اور لوگوں نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تو جو خراب صورتحال آزاد کشمیر میں ہے۔ وہی ہماری بھی ہو گی اس دلیل کی قلعی اس وقت کھل جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت ہند نے ہمارے پار والے بھائیوں کو اس کنونشن میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے اگر اوپر والی دلیل صحیح ہوتی تو حکومت بہ چشم زدن ان لوگوں کو یہاں آنے کی اجازت دیتی۔ تاکہ وہ لوگ اپنی مشکلات سے ہمیں آگاہ کرتے۔ مگر اصلیت وہ نہیں ہے جو کہی جاتی ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

ساری صورتحال کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد صرف ایک راستہ باقی رہ جاتا ہے' وہ یہ کہ لوگوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور یہ فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں آزادانہ اور منصفانہ رائے شماری کے ذریعے عمل میں آئے۔ ایسا کیوں کیا جائے اس کی وجوہات یہ ہیں:

ا۔ رائے شماری کا وعدہ حکومت ہند کر چکی ہے۔

ب۔ ہند' پاکستان اور اقوام متحدہ اس کے پابند ہیں

ج۔ یہی وہ جمہوری طریقہ ہے' جس کے ذریعے ریاست کے تمام بالغ عوام اپنی مرضی کا اظہار کر سکیں گے' اور اس طرح محسوس ہوگا کہ انہوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کیا ہے۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ریاست کی اکثریت کا مطالبہ یہی ہے۔ اس مطالبے پر عمل درآمد مشکل نہیں ہے۔ پانچ سال تک ریاست جموں و کشمیر کے دونوں حصوں میں جوں کی توں صورتحال برقرار رکھی جائے' اس دوران شیخ محمد عبداللہ کو ہند پاکستان کے درمیان نقل و حرکت کی پوری آزادی ہو' تاکہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تمام راستے ہموار کئے جائیں"۔

موئے مقدس کی ایجی ٹیشن

اب وزیراعظم بخشی غلام محمد اور ان کے خاندان کے قاہرانہ نظام حکومت کی ایک دہائی گذر چکی تھی۔ اور عوام کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ اگست ۱۹۶۳ء میں وزیراعظم نہرو کے کامراج پلان نے کشمیر میں بخشی غلام محمد کی لمبی خوش قسمتی کے ستارے غروب کر دیئے۔ بخشی غلام محمد کے استعفیٰ سے خوشی کی لہر دوڑی اور کشمیریوں نے چین کا سانس لیا۔ خواجہ شمس الدین ریاست کے نئے وزیراعظم بنائے گئے لیکن ان کے اقتدار کا تارا صرف نوے دن رہ کر غروب ہو گیا۔

موسم سرما حالت کمال پر تھا' اور چلئہ کلان کی ٹھٹھرانے والی سردی نے وادی کشمیر کے سبزہ زاروں اور گلزاروں کی رنگینیاں اور رعنائیاں ختم کر دی تھیں۔ ندی نالوں پر یخ بستگی کی کیفیت طاری تھی۔ بہار کی صبحوں کو دلنواز خیر مقدمی نغمے سنانے والے پرندے بھی نقل مکانی کر چکے تھے۔ تمام تعلیمی ادارے سرمائی تعطیلات کے لئے بند ہو چکے تھے طالب علم امتحانات کی تیاریوں کے لئے اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشین ہو چکے تھے' غریب کشمیری محنت مزدوری کے لئے اپنی اپنی خس پوش جھونپڑیوں کو چھوڑ کر وادی سے باہر جموں اور پنجاب کی سڑکوں پر گھوم رہے تھے۔ دربار مئو کے باعث سیکرٹریٹ کے ہزاروں ملازم جموں میں قیام پذیر تھے۔ راتیں لمبی اور دن چھوٹے تھے۔ اور آفتاب عالم تاب نے برف باری کو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا موقعہ دینے کے لئے خود گھنے بادلوں کی نقاب اوڑھ لی تھی۔ کہ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۳ء کو علی الصباح دنیا نے سری نگر کے مرکز سے چند میل دور واقع حضرت بل کی درگاہ سے موئے مقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پراسرار اور اچانک گم شدگی کی لرزہ خیز خبر سنی۔ جو کشمیر کے کونے کونے میں جنگل کی آگ بن کر پھیل گئی۔ سری نگر اور دوسرے قصبوں کے علاوہ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کے تند و تیز شعلوں کی لپیٹ میں کشمیر کے دور و دراز اور الگ تھلگ گوشے بھی آگئے' جہاں کسی مظاہرے کے لئے عوام کو یکجا کرنا کوہ کن کے لئے جوئے شیر لانے کے برابر ہے شہروں اور آسودہ حال علاقوں سے بہت دور جنگلوں اور بیابانوں کی خاموش بستیوں میں بسنے والے لوگ بھی تند و تیز سرد ہواؤں اور لہروں میں اپنی خس پوش جھونپڑیوں کو چھوڑ کر شیروں کی طرح یخ بستہ سڑکوں پر آ گئے۔ اور طاغوت اور اس کی وظیفہ خور قوتوں کو

للکارنے لگے۔ حتیٰ کہ وادی کے تمام قصبوں سے دارالحکومت سری نگر کی طرف پیدل مارچ شروع ہو گیا۔ کھانے پینے کی لازمی اشیاء کی قیمتیں یکایک زمین پر آگئیں اور برادری' اخوت اور فیاضی کے وہ مظاہرے دیکھنے میں آئے' جن کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا تھا۔ مسلمانوں کے دونوں بڑے مکتب خیال ----- سنی وشیعہ ہم آواز و ہم رکاب ہو گئے اور دونوں نے ایک ہی صف میں شامل ہو کر سری نگر میں اجتماعی نمازیں ادا کیں۔ پانچ روز کی منظم' شائستہ اور باوقار ایجی ٹیشن کے بعد ۴ جنوری ۱۹۶۴ء کے پانچ بجے شام موئے مقدس کی بازیابی کا اعلان کر دیا گیا' اور ۳ فروری ۶۴ء دن کے دو بجے ایک خاص محفل دیدار میں چند مذہبی واعظوں کے ذریعے اس کی شناخت اور تصدیق کرائی گئی۔ اس موقعہ پر حکومت ہند کی طرف سے لال بہادر شاستری' وشواناتھن اور کابینہ کے سرکردہ افراد موجود تھے۔ ان کے علاوہ بھارتی آئی۔ بی کے ڈائریکٹر بی' این ملک بھی حاضر تھے۔ اس اعلان کے بعد بھی عوام نے ایجی ٹیشن جاری رکھنے کی کوشش کی' اور حق خودارادیت کے حصول کے لئے تحریک کو زندہ کرنا چاہا' لیکن حکومت نے عوام کے خلاف طاقت استعمال کرنے میں کوئی تاخیر نہ دکھائی۔ بعد میں اس شور انگیز تحریک کا چڑھاؤ' اتار میں تبدیل ہو گیا۔ موئے مقدسؐ کی بازیابی کے اعلان کے باوجود حکومت نے یہ نہ بتایا کہ موئے شریف کو اپنی جائے پاک سے چرانے والا اصلی ملزم کون تھا۔ آج تک یہ سوال برابر ایک معمہ اور راز ہے۔

موئے مقدس کی بازیابی کی تحریک چلانے کے لئے کشمیر کی نو سیاسی و مذہبی جماعتوں نے ایک قومی اتحاد کی شکل اختیار کی تھی۔ جس کا نام "مجلس عمل برائے حصول موئے مقدس" تھا۔ حق خود ارادیت کے حصول کی خاطر عوام کے جذبہ حریت اور ذوق عمل کو دیکھ کر مجلس عمل نے ریاست کے سیاسی سوال کو ہاتھ میں لیا' اس کو حل کرانے کے لئے اپنی جدوجہد ہمہ گیر طریقے پر شروع کی' اور مارچ ۱۹۶۴ء میں سری نگر کی تاریخی جامع مسجد میں مجلس عمل نے ایک سیاسی قرار داد پاس کی جس میں کشمیری عوام کے لئے حق خودارادیت اور آزاد و غیر جانبدار رائے شماری کے مطالبات کئے گئے اور ہند اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ کشمیری عوام کے ساتھ کیا گیا اپنا وعدہ ایفا کریں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت ریاست کا مسئلہ الحاق طے کرانے کے لئے عوام کی خواہشات معلوم کرنے کی خاطر ایک غیر جانبدار اور آزادرائے شماری عمل میں لائیں۔

یوں کشمیری عوام نے حق خود ارادیت کی روشنی میں اپنے دل کی حقیقی دھڑکن کا احساس دنیا کو دینے کا تہیہ کر لیا۔ یہ صورت حال حکومت ہند کے لئے تشویشناک اور چیلنج آور بن گئی۔ کیونکہ اس سے کشمیر کا سوال ایک بار پھر عالمی پریس' رائے عامہ اور عالمی لیڈروں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ وزیراعظم نہرو کو یہ احساس ہو گیا کہ سترہ سال تک اہل کشمیر کے جذبہ حریت کو فوج اور پولیس کی بے پناہ طاقت کے دباؤ نے بھی پامال نہیں کیا ہے۔ اور وہ رائے شماری کے بھارتی' پاکستانی اور بین الاقوامی وعدے کو اب بھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ ہاں البتہ اس خاموش اور ناقابل تسخیر جذبہ حریت نے ذرا سا موقعہ پا کر ہندوستان کے مرکزی اقتدار کا کوہ گراں بھی لرزہ براندام کر دیا۔

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

بھارت کی حقیقی تشویش

موئے مقدس کے حصول کی تحریک اس کے اصلی ملزم کو پیش کرنے کی مانگ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مجلس عمل کی متحدہ اور اجتماعی لیڈر شپ میں حق خود ارادیت کی تحریک کا غلغلہ ہائے الاماں اور احیاء وزیراعظم نہرو کے لئے باعث اضطراب بن گیا۔ اسی اضطراب نے کشمیر میں نئے وزیراعظم خواجہ غلام محمد صادق کو مجبور کر دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ۵ اپریل ۱۹۶۴ء کو سازش کا مقدمہ واپس لیں۔ اور یہیں سے ہندوستان کے مرکزی اقتدار اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان تعلقات کو دوستانہ جامہ پہنانے کی کوششوں کا دور آغاز ہو گیا۔

۵ اپریل ۱۹۶۴ء کو دوپہر کے بعد بھارتی کابینہ کی ایمرجنسی کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں وزیراعظم نہرو کی تقریر سے ان کی بے قراری عیاں ہو گئی' اس میٹنگ کی تفصیلات ہندوستانی محکمہ سراغ رسانی کے سربراہ نے بتائی ہیں۔ اور مسٹر آئی' وی گندیویا آئی' سی' ایس ریٹائرڈ نے اپنی انگریزی کتاب SHEIKH ABDULLAH TESTAMENT OF میں محکمہ سراغ رسانی کے سابق سربراہ کی رپورٹ شائع کی ہے۔ میٹنگ وزیراعظم نہرو کی قیام گاہ پر ہوئی تھی' جس میں مندرجہ ذیل افراد شریک ہوئے تھے۔

وزیراعظم نہرو' مرار جی ڈیسائی' لال بہادر شاستری' گلزاری لعل نندہ' ٹی۔ٹی کرشنم آچاری' اے کے سین۔ آئی' وی گندیویا' کئی سیکرٹری اور ہندوستان کے سراغ رساں محکمے کا سربراہ بی' این ملک۔

ہندوستان کے سراغ رساں محکمے کے سابق سربراہ نے میٹنگ کی روداد ان الفاظ میں بیان کی ہے :۔

"وزیراعظم نہرو نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ اگر پندرہ برس کے ملاپ کے باوجود کشمیر ایک غیر مستحکم صورتحال سے دو چار ہے کہ موئے مقدس جیسے سادہ مسئلے پر عوام کو اس حد تک مشتعل کیا جا سکتا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوں' پھر تو ہمیں کشمیر کے بارے میں ایک نیا اپروچ اختیار کرنا ہوگا' اور ہمارے نکتہ نظر میں ایک ترقی پسندانہ تبدیلی لازمی بن جاتی ہے۔ وزیراعظم نے اس بات کو بھی محسوس کر لیا کہ شیخ عبداللہ کو کشمیری عوام پر ایک مضبوط گرفت حاصل ہے' اور بدلے ہوئے حالات میں ان کو اعتماد میں لائے بغیر وادی میں کسی قسم کے سیاسی حل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا' اس لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ شیخ عبداللہ کو رہا کر دیا جائے"۔

مجلس عمل میں پھوٹ

۸ اپریل ۱۹۶۴ء کو شیخ محمد عبداللہ جیل سے رہا کر دیئے گئے۔ یہی وہ ایام تھے جب کشمیر کی نو سیاسی و مذہبی جماعتوں کی مجلس عمل کی اجتماعی لیڈرشپ میں حق خود ارادیت کی تحریک میں کار آمد روح دوڑ رہی تھی۔ اور ہمارے گلی کوچے فلمی گیتوں کے بجائے حق خود ارادیت زندہ باد اور رائے شماری فورا" کراؤ کے نعروں سے گونج رہے تھے۔ افسوس کہ اتحاد کی بہار اور چند روز باقی نہ رہ سکی۔ مجلس عمل میں اختلافات سنگین صورت اختیار کر گئے۔ سری نگر میں قدیم شیر بکرا فسانہ عود کر آیا۔ حق خود ارادیت کے بھائی گلیوں اور کوچوں میں ایک دوسرے کے خلاف گالیوں' پتھروں اور لاٹھیوں کا مذموم اور حیا سوز استعمال کرنے لگے' اور مجلس عمل کے اتحاد کا شیرازہ اس طرح بکھر گیا کہ آج تک پھر کبھی اس قسم کے اتحاد کا احیاء نہ ہوا۔ مجلس عمل کی تحریک کے سرخیل مولانا محمد سعید مسعودی کے خیال میں اس تاریخی اتحاد کے ٹوٹنے کا سبب یہ تھا کہ بعض حضرات نے مجلس میں بڑی اور چھوٹی پارٹی کے سوالات اٹھائے۔

لیکن ۱۹۷۰ء میں اپنی نظر بندی کے دوران جب میں نے اپنے وکیل مرزا محمد افضل بیگ سے یہی سوال کیا کہ ۱۹۶۴ء میں مجلس عمل کے نو پارٹی اتحاد کے ٹوٹ جانے کے اسباب کیا تھے' تو انہوں نے کہا کہ مجلس عمل کے لیڈروں نے موئے مقدس کی چوری کے سوال پر مرکزی حکومت کو تحقیقات کرنے والی اتھارٹی تسلیم کر لیا۔ جس نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہندوستان کے نمائندے مسٹر چھاگلہ کو پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو یہ جواب دینے کا موقعہ دیا کہ کشمیر کے حالات ہند کے اپنے اندرونی معاملات ہیں کیونکہ خود کشمیریوں نے موئے مقدس کے سوال پر مرکزی حکومت کے ذریعے ہی تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور مرکز کے اختیار کو تسلیم کیا ہے

دہلی' شیخ مذاکرات

کہتے ہیں کہ دو اپریل ۱۹۶۴ء کو رہائی سے چند روز پہلے وزیراعظم نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کو مراسلہ لکھا تھا کہ وہ رہا ہو کر براہ راست نئی دہلی ان کی قیام گاہ پر پہنچ جائیں' اور بعد میں سری نگر روانہ ہوں۔ شیخ عبد اللہ نے ۹ اپریل ۱۹۶۴ء کو سرینگر پہنچنے پر ایک اخباری کانفرنس میں اس امر کا انکشاف کیا کہ پنڈت نہرو کا دعوت نامہ مجھے ۷ اپریل کو دیا گیا۔ جب میرے ہزاروں دوستوں نے وادی میں میرے استقبال کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ شیخ عبد اللہ نے کہا کہ اگر وقت پر مجھے یہ خط سپرد کر دیا گیا ہوتا تو میں یقینا" سری نگر کے بجائے پنڈت جی کے لئے نئی دہلی کا رخ کر لیتا۔ بہرحال ۲۹ اپریل ۶۴ء کو شیخ عبداللہ نئی دہلی پہنچ گئے۔ جہاں وزیراعظم نہرو کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے ان کا قیام وزیراعظم کی رہائش گاہ میں رہا۔ یہاں حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کشمیر کے سوال پر مذاکرات کا باقاعدہ آغاز ہو گیا' ان ایام میں پرائم منسٹر ہاؤس میں وزیراعظم نہرو کی طرف سے جو شخصیتیں شیخ عبد اللہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھیں ان کے نام یہ ہیں :

مسٹر پارتھا سارتھی (اس وقت پاکستان میں ہند کے سفیر) مسٹر بدر الدین طیب جی (اس وقت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے اور اس سے قبل وزارت خارجہ میں خصوصی سیکرٹری رہ چکے تھے) مسٹر گندیویا۔ کامن ویلتھ سیکرٹری۔

وزیراعظم نہرو کے نمائندوں اور شیخ محمد عبداللہ اور ان کے معاونوں کے

درمیان مذاکرات پوپھٹتے ہی شروع ہو کر ناشتہ تک جاری رہتے۔ مسٹر گنڈیویا روزانہ صبح کے مذاکرات کی روئداد اور ان میں پیش رفت کی رپورٹ وزیراعظم جواہر لعل نہرو کو دیا کرتے تھے۔ ان ہی مذاکرات میں شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان بھیجنے کا فیصلہ ہو گیا شیخ عبد اللہ پر حکومت ہند کا یہ اعتماد اس بات کی غمازی کررہا تھا کہ اب کشمیر کی آزادی اور حصول حق خود ارادیت کے نظریات پر شیخ عبد اللہ کے افکار و خیالات میں کافی تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ ورنہ حکومت ہند کے اعلیٰ مشیر اور پالیسی ساز سازش کیس کے کل کے ملزم کو آج پاکستان بھیجنے کا خطرہ مول نہ لیتے۔ بھارتی لیڈر شپ کا خیال تھا کہ ہندوستانی قید خانے میں طویل وقت گذارنے کے بعد شیخ عبداللہ پاکستان کی نظر میں ایک مقبول لیڈر بن کر باہر آ رہے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ اسی تاثر میں پاکستان اور ہندوستان کے مابین ان کی مصالحت کی کوشش بھارت کے لئے کارآمد ثابت ہو۔ حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مذاکرات کا موجودہ مرحلہ ایک طویل سلسلے کی ابتدائی کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں بھارت' پاکستان پر شیخ عبد اللہ کے اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کو تنازعہ کشمیر کے کسی حل پر آمادہ کرانے کی آس لگا چکا تھا۔ خود شیخ عبد اللہ بھی پاکستان کے ساتھ مذاکرات کے خواہش مند تھے۔ جب دہلی اور شیخ عبداللہ کے درمیان طے پایا کہ موخر الذکر پاکستان جا کر صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان سے مذاکرات کا آغاز کرلیں' تو سوال پیدا ہوا کہ وہ گفت و شنید کن کن تجاویز کے ارد گرد کریں۔ حکومت ہند کی خواہش تھی کہ صدر پاکستان کو جموں و کشمیر کی جنگ بندی لائن ایک مستقل بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرانے کی تجویز پر رضا مند کر لیا جائے۔ دہلی میں مرکزی حکومت کے نمائندوں اور شیخ عبد اللہ کے درمیان جو بات چیت چل رہی تھی۔ اس میں حکومت نے آپ کو ان مذاکرات سے بھی آگاہ کردیا' جو ۱۹۶۲ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹواور مسٹرسورن سنگھ وزیرخارجہ ہند کے درمیان چھ ماہ تک جاری رہنے کے بعد ناکام ہو گئے تھے۔

"ہم شیخ محمد عبداللہ کو پاکستان روانہ کرنے سے پہلے اس بات چیت پر بریف کرنا چاہتے تھے' جو ۱۹۶۲ء کی ہند چین لڑائی کے فوراً" بعد ہم نے امریکہ اور برطانیہ کے دباؤ کے تحت دسمبر۱۹۶۳ء سے مئی ۱۹۶۴ء تک چھ گردشوں میں پاکستان کے ساتھ جاری رکھی تھی۔ ۱۹۶۳ء کے ہند پاک مذاکرات میں ہمارا عندیہ یہ تھا کہ موجودہ جنگ

بندی لائن کو کہیں کہیں از سر نو کھینچ کر پاکستان کے حق میں تبدیل کر دیا جائے۔ پھر اسے ایک بین الاقوامی سرحد بنایا جائے۔ یعنی کشمیر کا وہ حصہ جو پاکستان کے پاس ہے۔ بدستور اس کے ہاں چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کے علاوہ اسے کچھ مزید حصہ یہاں سے دیا جائے"۔

لیکن مسٹر گنڈیویا کی رائے میں شیخ محمد عبداللہ کو ہند' پاکستان اور کشمیر پر مشتمل ایک کنفیڈریشن، کے قیام کی تجویز سے دل چسپی تھی۔ جنوبی ہند کے دورے سے لوٹ کر شیخ عبداللہ نے وزیراعظم کے سامنے ہند پاکستان اور کشمیر کے درمیان کنفیڈریشن قائم کرنے کی تجویز رکھی تھی۔ جو غالباً" راج گوپال آچاریہ نے پیش کی تھی۔ شیخ عبداللہ یہ تجویز صدر ایوب کو پیش کرنے کے معاملے سے کافی دلچسپی رکھتے تھے' وزیراعظم نہرو اس کے قانونی اور بین الاقوامی نکات و مضمرات کا تجزیہ کرنا چاہتے تھے"۔ چنانچہ مسٹر گنڈیویا نے انہیں اس کی تجزیاتی رپورٹ یوں اختصار کے ساتھ پیش کر دی:

۱۔ تاریخ میں کوئی کنفیڈریشن کامیاب نہیں رہی ہے۔
۲۔ ایوب خان اس تجویز کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔
۳۔ چونکہ ایوب خان اس تجویز کو رد کریں گے' ہمیں اسے رد نہیں کرنا چاہئے۔
۴۔ شیخ عبداللہ' جو اس تجویز سے کافی دل چسپی رکھتے ہیں' کو اجازت دی جائے کہ وہ پاکستان جا کر ایوب خان کو رضا مند کرانے کی کوشش کریں۔

ہم شیخ کے مفید اور ضروری مارکیٹ میں صرف ایک ایٹم (Item) فروخت کرنے سے دلچسپی رکھتے تھے یعنی موجودہ جنگ بندی لائن میں تبدیلی لا کر ایک مستقل بین الاقوامی سرحد قائم کی جائے۔ صرف شیخ عبداللہ کی ذات اس پوزیشن میں تھی جو کہ ہماری تجویز کو لے کر صدر ایوب کو فروخت کر سکتے۔ شیخ عبداللہ نے کہا کہ سب سے پہلے میں کنفیڈریشن کے قیام کی تجویز تسلیم کرانے کی کوششیں کروں گا۔ جنگ بندی لائن میں تبدیلیاں لا کر اسے ایک مستقل بین الاقوامی سرحد میں بدل دینے کی تجویز ہمارا ایک آخری حربہ ہو۔

نئی دہلی میں حکومت ہند کے نمایندوں کے ساتھ مذاکرات کرنے کے بعد مئی ۱۹۶۴ء کے وسط میں شیخ عبد اللہ واپس سری نگر لوٹے۔ انہیں سفر پاکستان کی خاطر مئی

۱۹۶۴ء کے اختتام تک واپس نئی دہلی پہنچ جانا تھا۔ حکومت ہند شیخ عبد اللہ کے خیالات سے مطمئن نظر آ رہی تھی ۔ چنانچہ پنڈت نہرو نے ۱۵ مئی ۱۹۶۵ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بمبئی سیشن میں شیخ عبداللہ کے ساتھ اپنے مذاکرات کی تفصیلات میں جانے سے دامن بچانے کے باوجود اس بات کا انکشاف کیا کہ ان مذاکرات میں شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر کے تنازعہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ باتیں ہند پاک تعلقات پر کیں۔ حق تو یہ ہے کہ اپریل ۱۹۶۴ء میں رہا ہو کر حکومت ہند کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کے ساتھ ہی شیخ عبد اللہ نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں کشمیریوں کو اشارہ دیا تھا کہ اب وہ فکر و نظر میں تبدیلی لائیں ۔ ان ہی دنوں آپ نے نئی دہلی میں وزیر داخلہ مسٹر گلزاری لعل نندہ کے ساتھ ایک طویل بات چیت کے بعد اخباری نمائیدوں کو بتایا تھا کہ :

"میں ذاتی طور پر کشمیر کے الحاق کے سوال کو ایک ادنیٰ مسئلہ تصور کرتا ہوں"۔

آپ نے ہند اور پاکستان کے درمیان دوستی اور مفاہمت کو "ایک بنیادی ضرورت قرار دیا"۔

۲۳ اپریل ۱۹۶۴ء کو سری نگر میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ "کشمیریوں کو اپنی مرضی متعین کرتے ہوئے اپنے فیصلہ کے امکانی نتائج کو ذہن میں رکھنا ہو گا جو ہند کی مسلمان اقلیت اور پاکستان کی ہندو اقلیت پر اثر انداز ہوں گے"۔

نئی دہلی سے سری نگر روانہ ہوتے ہوئے آپ نے کہا کہ "لوگوں کی مرضی دریافت کرنے کے کئی راستے ہو سکتے ہیں اگر رائے شماری کرانے سے مشکلات پیدا ہونے کے امکانات ہیں تو دوسرے راستے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔"

جموں میں آپ نے کہا کہ "آزاد اور بے ریا انتخابات لوگوں کی مرضی معلوم کرنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے اور بھی کئی غیر جانبدار تجویزیں ہو سکتی ہیں "۔ اس سے پہلے بھی ۳ مئی کو شیخ عبداللہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ مرکزی حکومت اور ان کے درمیان کوئی بنیادی اختلافات نہیں ہیں اور انہیں مسئلہ کی جانب حکومت ہند کی رائے میں کوئی شدت نظر نہ آئی تھی۔"

شیخ محمد عبداللہ پاکستان میں

شیخ محمد عبداللہ ۲۴ مئی ۱۹۶۴ء کو پالم (نئی دہلی) ہوائی اڈے سے راولپنڈی کے

چک لالہ ہوائی اڈے پر اترے ۔ جہاں ان کے بدلے ہوئے موقف کا انکشاف روزنامہ "ڈان" اور دوسرے پاکستانی اخبارات نے اس وقت کیا جب وہ پاکستان کا دورہ کر رہے تھے۔ اور کئی عوامی جلسوں اور اخباری کانفرنسوں سے خطاب بھی کر چکے تھے۔

"شیخ محمد عبداللہ کے بیانات اور ہندوستان کے نام نہاد سکولرازم کے بارے میں ان کی زبان سے حوالہ جات سن کر پاکستانی عوام کو عام طور پر اور یہاں کے ذہین طبقے کو خاص طور پر کسی قدر مایوسی ہوئی ہے"۔

روزنامہ "ڈان" نے شیخ عبد اللہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ اب انہوں نے مسئلہ کشمیر کا حل ڈھونڈنے کے موقف کے بجائے ہند پاک دوستی کے موقف پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا ہے "شیخ محمد عبداللہ نے پاکستان پہنچ کر اپنی پہلی ہی میٹنگ میں ایوب خان کو کنفیڈریشن کی تجویز پیش کی۔ جو ایوب خان نے رد کر ڈالی"۔

وزیر اعظم نہرو کی وفات

۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو نئی دہلی میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو کی موت واقع ہو گئی۔ اس لئے شیخ عبداللہ اپنا دورہ پاکستان نامکمل چھوڑ کر واپس دہلی لوٹے ۔ پنڈت نہرو کی وفات نے اس مکالمے کو بھی بریک کا شکار کر دیا جو نہرو کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا' کیونکہ شیخ عبد اللہ کو جتنے گہرے مراسم جواہر لعل کے ساتھ تھے ' اتنے ان کے پیش روں کے ساتھ نہیں تھے۔ مسٹر ٹی وی گندیویا اس کی شہادت دیتے ہیں ۔

"لال بہادر جی کی طرف سے وزارت عظمیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے کئی ہفتے بعد ایک روز میں نے شیخ سے دریافت کیا کہ کیا انہوں نے نئے وزیر اعظم کے ساتھ یا حکومت کے کسی آدمی کے ساتھ کوئی بات چیت کی ہے ۔ شیخ نے جواباً کہا " میں کس کے ساتھ بات چیت کروں' میں اس حکومت میں اندراجی کے سوا اور کسی کو جانتا ہی نہیں" اندراجی نے اس وقت اطلاعات و نشریات کی وزارت سنبھال لی تھی ۔

ایک بات چیت میں ' میں نے لال بہادر شاستری پر شیخ کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کی ضرورت پر زور ڈالا۔ تو شاستری جی تعجب سے بولے "مجھے اس (شیخ) کو کیا کہنا ہے ؟" میں نے کہا "عبداللہ کو نہرو سے بہت کچھ کہنا تھا"۔

اب مذاکرات دوبارہ شروع ہونے تھے لیکن شیخ عبداللہ نہرو کے جانشینوں سے

مایوس تھا' کیونکہ نئے حکمران پاکستان کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے کے لئے پریشان نہ تھے۔ بہر حال اب شیخ عبداللہ کو ۱۹۶۵ء میں حج بیت اللہ کی خاطر باہر جانے کی اجازت مل گئی۔ ۱۹۶۵ء کے شروع میں شیخ عبداللہ ایشیا' افریقہ اور یورپ کے کئی ایسے ممالک کے دورے پر گئے جنہیں کشمیری عوام کے حق سے ہمدردی ہو سکتی تھی۔ مارچ میں وہ قاہرہ پہنچے جہاں انہوں نے افریقی ایشیائی ممالک سے حمایت کی اپیل کی۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے کشمیر کا سوال الجزائر میں منعقد ہونے والی افریقی ایشیائی کانفرنس کی خدمت میں پیش کرنے کا منصوبہ بنایا تھا جو ان دنوں اجلاس کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ الجزائر کی حریت پسند فاتح قیادت سے ملے۔ جہاں انہیں الجزائر کی تحریک حریت کے لاکھوں شہیدوں کا عظیم الشان مزار دکھایا گیا۔ دارالحکومت الجزیرہ میں انہوں نے پاکستان کی ہمت افزائی سے ایک جوا کھیلا ' لیکن وہ ہار گئے۔ ریڈیو پیکنگ کے مطابق شیخ عبداللہ نے یہاں وزیر اعظم چین مسٹر چو۔این۔ لائی سے ملاقات کی جس نے انہیں دورہ چین کی دعوت دی اور یقین دیا کہ "چین ہمیشہ اہل کشمیر کے لئے حق خودارادیت کے حصول کی حمایت کرتا رہا ہے"۔ قدرتی طور پر وزیر اعظم شاستری نے "ہندوستان کے دشمن کے ساتھ عبداللہ کے رابطوں کا سب سے زیادہ سنجیدہ نوٹس لیا" لیکن پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ عبداللہ کی ہمت افزائی کرنے کے لئے بنیادی سفارتی مراسم بالائے طاق رکھے ' وہ ان کے پاس فوراً دوڑ پڑے اور اعلان کیا کہ پاکستان دورہ چین کے لئے شیخ عبداللہ کو اپنا پاسپورٹ دینے کے لئے تیار ہے"۔

اپنے غیر ممالک کے سفر میں شیخ عبداللہ نے حق خود ارادیت کے مسئلے پر کئی بیانات دئے۔ حکومت ہند نے شیخ عبداللہ کی سرگرمیوں اور ان کے بیانات کا سنجیدہ نوٹس لیا اور انہیں ۳۰ اپریل ۱۹۶۵ء تک واپس بھارت پہنچ جانے کی ہدایت دی گئی لیکن شیخ عبداللہ ۷ مئی ۱۹۶۵ء کو ہی اپنا دورہ مختصر کرکے پالم کے ہوائی مستقر پر اترے ۔ سرزمین ہند پر اترتے ہی حکام نے انہیں ڈی ' ائی ' آر کے تحت ایک حکم نامہ دکھایا ۔ کشمیر میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔

ادھر کشمیر میں اس خبر سے حکومت اور عوام کے درمیان نیا ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ وادی میں زبردست مظاہرے اور فسادات ہوئے جن کو کچلنے کے لئے حکومت نے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کر دیں اور ڈی ' آئی ' آر کا بے تحاشا استعمال

شروع ہو گیا۔ شیخ عبد اللہ کی گرفتاری کے خلاف وادی میں ۸ مئی ۱۹۶۵ء سے ۱۸ مئی ۱۹۶۵ء تک جو ہنگامے ہوئے ان میں محاذ رائے شماری کے ایک پریس نوٹ کے مطابق ۳۶ افراد جان بحق اور ۴۷۸ زخمی ہو گئے اور ۸۱۳ افراد کو گرفتار کرکے ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت نظر بند کر دیا گیا۔

کشمیر میں ہند مخالف شعلے اور تحریکیں

اصل میں کشمیر میں نئے سیاسی ہنگامے ۱۹۶۳ء کے گزرتے ہوئے دنوں سے ہی شروع ہو گئے تھے ۔ جب موئے مقدس کے حصول کی ایجی ٹیشن سے سارا کشمیر جاگ اٹھا تھا اور نئی دہلی کے ایوانوں پر لرزہ سیماب طاری ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۵ء کے شروع میں ہی سیاسی افراتفری کے علاوہ معاشرتی تعلقات میں بھی افتراق و انتشار پیدا ہوا جب شیخ محمد عبداللہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ ریاست میں قائم کی گئی کانگریس کے حامیوں کے خلاف ترک موالات کریں ۔ اس حکم کا اعلان شیخ عبد اللہ نے کئی پبلک جلسوں میں کیا چنانچہ کانگریسیوں کے خلاف یہ معاشرتی اور سماجی مقاطعہ اب ان کی میتوں کے خلاف نماز جنازہ کی ادائیگی کے بائیکاٹ کی انتہا تک پہنچ گیا۔ کشمیر کانگریس کے خلاف ترک موالات کا آغاز کرانے کے بعد خود شیخ محمد عبداللہ بیرونی ممالک کی سیاحت پر نکل پڑے اور ادھر حکومت نے کشمیر میں اس نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے محاذ رائے شماری کے علاوہ موئے مقدس ایکشن کمیٹی میں شامل دوسری تنظیموں کے کارکنوں کو نظر بند کر دیا ۔ مئی میں شیخ محمد عبداللہ پر پابندیوں کے خلاف احتجاجی اقدامات کے بعد جون میں مجلس عمل برائے موی مقدس نے شہری آزادیوں پر پابندیوں کے خلاف رضا کارانہ گرفتاریوں اور امتناعی احکامات کی منظم خلاف ورزیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ رضا کاروں کے دستے باری باری ایکشن کمیٹی میں شامل تمام جماعتوں نے دیئے۔

ہند پاک جنگ کے شعلے

لیکن ۱۹۶۵ء کے موسم گرما میں کشمیر کی سرگرمیوں اور واقعات میں چھاپہ ماری کی شکل میں ایک نئے عنصر کا اضافہ ہو گیا۔ ۵ اگست ۱۹۶۵ء کو حکومت ہند نے اعلان کیا کہ پاکستان میں ہتھیاروں سے لیس ہو کر تخریب کاروں کے دو تربیت یافتہ قافلے کشمیر میں در اندازی کر چکے ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد کی دراندازی شروع ہو چکی ہے اور چند دنوں سے جنگ بندی لائن کے ساتھ ساتھ پاکستان کی مسلح افواج کی گولہ باری بھی جاری ہے لیکن ۹ اگست ۱۹۶۵ء کو صبح سویرے ریڈیو پاکستان اور آزاد کشمیر ریڈیو نے اپنے سننے والوں کو کشمیر کی نئی صورت حال سے آگاہ کر دیا ۔ دونوں نے بتایا کہ کشمیر میں عوام نے غلامی کے خلاف مسلح بغاوت کی ہے اور ایک انقلابی کونسل کا قیام عمل میں آگیا ۔ اس طرح کشمیر کی جنگ بندی لائن اندرونی علاقوں

، میدانوں اور جنگلوں میں ہند اور پاکستان کے درمیان خوفناک جنگ چھڑ گئی اور کشمیر کے عوام بے شمار مصائب کے شکار ہو گئے ۔ کشمیر اس جنگ سے پہلے ہی اتھل پتھل کا شکار تھا۔ جس کی ایک شہادت "واشنگٹن پوسٹ" ۱۴ اگست ۱۹۶۵ء کی ایک رپورٹ سے یوں ملتی ہے ۔ مثلاً سلیگ ہاری سن نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ "میں نے جولائی ۱۹۶۵ء میں کشمیر کا دورہ کیا مجھے معلوم ہوا کہ کشمیر کے عوام ٹھوس پیمانے پر بھارت کی حکمرانی کے خلاف ہیں اور ہندوستان کے ۱۲ فوجی برگیڈ ہی حق خود ارادیت کی تحریک کو قابو میں رکھے ہوئے ہیں" ۔

۶ ستمبر ۱۹۶۵ء لاہور کا محاذ کھل گیا اور کشمیر کی جنگ ہند اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدوں کو اپنی لپیٹ میں لے گئی ۔ اس نئی صورت حال سے جموں و کشمیر کا محاذ سرد پڑ گیا ۔ اقوام متحدہ میں زبردست سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور دونوں بڑی طاقتیں امریکہ اور روس قیام امن پر اصرار کرتے رہے ۔ آخر روس کی جنگ بندی کی کوششوں اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی دوسری سخت قرار داد میں ہند اور پاکستان سے کہا گیا کہ وہ تین روز کے اندر اندر ۲۲ ستمبر تک جنگ بند کر کے ۵ اگست کی پوزیشن پر واپس جائیں ۔ سیکورٹی کونسل کی قرار داد کی منظوری کے بعد ۲۳ ستمبر کو چار ہفتوں کے بعد ہند پاکستان کے درمیان گرجنے والی توپیں خاموش ہو گئیں اور آگ برسانے والے بمبار ٹھنڈے پڑ گئے ۔ سوویت روس کی سرکار آگے بڑھی جس نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے تاشقند میں ایک ہند پاکستان چوٹی کانفرنس کا بندوبست کرایا اور ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ء کو تاشقند میں ہند اور پاکستان کے سربراہوں ، وزیراعظم لال بہادر شاستری اور صدر محمد ایوب خان نے معاہدۂ تاشقند پر اپنے اپنے دستخط ثبت کر دیے جس کی رو سے دونوں ملکوں نے اپنے اختلافات دور کرنے کے لئے طاقت کے عدم استعمال کا فیصلہ کیا۔

ادھر کشمیر اگست سے پہلے ہی شورش کی گرفت میں تھا۔ ۹ اگست ۱۹۶۵ء کے واقعہ سے متاثر ہو کر سری نگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں طلبہ اور دوسرے نوجوانوں نے حق خود ارادیت کے حصول کی ایجی ٹیشن میں گوریلا ، طرز عمل داخل کر لیا ۔ جس کا ثبوت بم پھینکنے اور پھٹنے کے وہ واقعات تھے جو سری نگر کے مختلف علاقوں مثلاً ریگل چوک (فوجی گاڑی پر) میڈیکل کالج ، گاؤ کدل وغیرہ میں پیش آئے۔ کشمیر کی یونیورسٹی اور سری نگر کے کالجوں اور اسکولوں کی تعلیمی سرگرمیاں معطل ہو گئی تھیں

کیونکہ طلبہ اور طالبات سرگرم عمل ہو کر شہر کے کوچوں ' بازاروں میں دل گداز مظاہروں کی رہنمائی کرتے ہوئے حق خود ارادیت کے حصول کے لئے سماج کے تمام طبقوں کو عمل اور آزادی کا راستہ دکھا رہے تھے۔

اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

اگست ' ستمبر اور اکتوبر ۱۹۶۵ء میں کشمیر توپوں کی گھن گرج اور آتشزنی کے واقعات کی وجہ سے عدم تحفظ اور افراتفری کا شکار تھا۔ ایک حریت پسند' تعلیم یافتہ کشمیری نوجوان نے اپنے چشم دید واقعات کی کچھ تفصیل مجھے ان الفاظ میں دی۔

"۱۴ اگست ۔ آج ۵ بجے سرینگر میں فوج نے کئی مکانات نذر آتش کئے۔ آگ بجھانے والے عملے کو ایت وار کی صبح تک متاثرہ علاقے میں داخل ہو کر آگ بجھانے کی اجازت نہیں دی گئی ۔ بٹہ مالو میں فوج نے سینکڑوں مکانات خاکستر کر دئے۔ آرم پورہ میں بھی کئی مکانات جلا دئے گئے ۱۰ اکتوبر ایت وار۔ آج سری نگر کے بیشتر علاقوں پر کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ مثلاً وارڈ ۵ ۔ ۶ ۔ ۷ ۔ ۸۔ پھر بھی پولیس پر کئی مقامات پر پتھراؤ ہوتا رہا۔ ۱۱ اکتوبر کو بھی کرفیو آرڈر نافذ رہا۔

۱۴ اکتوبر ویروار ۔ امیر کدل میں خواتین کے مظاہرے کو منتشر کرنے کے لئے فوج اور سی ' آر' پی نے عورتوں کو بندوقوں سے زدو کوب کیا ۔ جس میں کئی زخمی ہوئیں۔

۱۶ اکتوبر سنیچر وار کو سری نگر میں ہڑتال ختم کرکے دکانیں کھول دی گئیں۔

۱۸ اکتوبر کو فوج درگاہ حضرت بل میں داخل ہو گئی ۔ جس کے خلاف حضرت بل میں احتجاج کے طور پر دکان داروں نے ہڑتال کی۔ پولیس نے مظاہرین پر گولیاں برسائیں جس کے دوران دونوں جانب سے لوگ اور پولیس والے زخمی ہو گئے ۔ لہٰذا تمام کالجوں اور سکولوں کو غیر معینہ عرصے کے لئے بند کر دیا گیا ۔ ہڑتال ۱۹ اکتوبر کو بھی جاری رہی ۔

خواجہ غلام محمد صادق ،جنہیں موئے مقدس کی ایجی ٹیشن کے بعد مجلس عمل کے لیڈروں کی تائید سے وزارت عظمیٰ پر اس امید سے بیٹھنے کا موقعہ دیا گیا تھا کہ وہ عوام کو تشدد اور ظلم کا نشانہ بنانے سے پرہیز کریں گے ' نے بھی اپنے مرکزی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے جیل خانوں ' تھانوں اور پوچھ تاچھ کے مرکزوں میں

لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بھر لیا۔ انٹروگیشن کیمپوں میں نظر بندوں کے ساتھ غیرانسانی اور وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا ۔ اسی دور میں کشمیر میں جاسوسی نظام اور زیادہ وسیع اور مستحکم کر دیا گیا ۔ جو نوجوان موجودہ جاسوسی نظام کے شکار بن کر پوچھ گچھ کے مرکزوں اور جیل خانوں میں بند کر دیئے گئے ان میں سے چند نوجوانوں کے نام یہ ہیں ۔

میاں غلام سرور ۔ احسان الحق ۔ نذیر احمد وانی ۔ غلام قادر باسمتی ۔ محمد اشرف بھکو۔ محمد مقبول دمنو۔ انور عشائی وغیرہ ۔ میاں غلام سرور ۔ محمد مقبول دمنو اور دوسرے بہت سارے لوگ پانچ یا چھ سال بعد رہا کئے گئے۔ لیکن بشیر احمد کچلو اب لندن میں سکونت کرتے ہیں۔ (ان حضرات کا جرم حصول حریت کے انقلابی آداب تھے۔)

خود مختاری چاہنے والوں سے جھڑپ

ابھی ۱۹۶۵ء کی شورش کے سلسلہ میں سینکڑوں کشمیری جیلوں میں بند پڑے تھے کہ جون یا جولائی ۱۹۶۶ء میں خود مختار کشمیر مانگنے والوں کی ایک خفیہ ٹولی آزاد کشمیر سے وادی کشمیر میں داخل ہو گئی ۔ اس ٹولی کی رہنمائی شمالی کشمیر کے ایک گاؤں ترہ گام کے ایک تعلیم یافتہ نوجوان محمد مقبول بٹ کر رہے تھے ۔ آزاد کشمیر میں موصوف کا تعلق محاذ رائے شماری آزاد کشمیر اور نیشنل لبریشن فرنٹ سے تھا۔ کشمیر میں داخل ہونے کے بعد انہوں نے سوپور کی ہنگامہ خیز بستی کو اپنی سرگرمیوں کا مستقر بنا لیا اور پروفیسروں ' وکیلوں ' تاجروں اور طالب علموں کے ساتھ دن رات ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ ابھی میل ملاپ اور رابطوں کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ سوپور کے ایک مقام ناوی ہل میں پولیس اور سراغ رسانوں کے ساتھ اس جماعت کا تصادم ہو گیا ۔ اس مسلح تصادم میں دونوں طرف کی گولیوں سے کچھ لوگ کام آ گئے اور آخر کار مقبول بٹ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کرکے پوچھ تاچھ کے لئے سری نگر لائے گئے ۔ دوسرے جو حضرات پوچھ گچھ کی خاطر گرفتار کر لئے گئے ۔ ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ۔

پروفیسر سید محمد سعید گیلانی ۔ پروفیسر غلام رسول بچہ ۔ پروفیسر شمیم احمد کنگن غلام حسن صوفی وغیرہ ۔

یہ لوگ نظر بند کئے گئے ۔ بعد میں کوئی ٹھوس ثبوت نہ ملنے کے سبب حکومت نے انہیں ایک سال کے اندر اندر رہا کیا ۔ البتہ محمد مقبول بٹ اور ان کے

چند ساتھیوں کے خلاف سنٹرل جیل میں ایک خصوصی بند عدالت کے اندر قتل ' سازش اور تخریب کاری کے الزامات میں فوجداری مقدمات دائر کئے گئے اور عدالت نے محمد مقبول بٹ کو سزائے موت کا حکم سنایا لیکن دسمبر ۱۹۶۸ء کی ایک سرد رات میں وہ سنٹرل جیل سے فرار ہو کر واپس آزاد کشمیر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے ۔

محاذ کے گروہ کی گرفتاری

۱۹۶۶ء میں ہی حکومت کشمیر اور حکومت ہند کی سراغ رساں ایجنسیوں نے محاذ رائے شماری جموں و کشمیر کے چند لیڈروں اور کارکنوں کی ایک خفیہ زیر زمین ٹولی کو گرفتار کر لیا اور ان پر سازش اور تخریب کاری اور پاکستان سے مادی و مالی امداد حاصل کرنے کے الزامات عائد کئے ۔ محاذ کے صدر مرزا محمد افضل بیگ نے اپنی پارٹی کے کارکنوں کو بے خطا قرار دے کر وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو چیلنج کیا کہ اگر حکومت کے پاس ثبوت ہے تو وہ گرفتار شدگان کا معاملہ ایک کھلی عدالت میں پیش کرے۔ محاذ رائے شماری کے گرفتار کئے جانے والوں میں شیخ بھدرواہی ' ڈاکٹر مظفر الزماں درابو اور ڈاکٹر مجید جیسے لوگ بھی شامل تھے ۔ ۱۹۶۹ء میں یہ لوگ رہا کر دیئے گئے۔

توہین قرآن حکیم کا سانحہ

۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء کو سری نگر میں قرآن کریم کی توہین کرنے کی دل خراش اور مذموم خبر آگ بن کر پھیل گئی اور مقامی کالجوں کے طلبہ اس مذموم حرکت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لال چوک میں جمع ہو گئے ۔ جہاں ڈی آئی جی کشمیر مسٹر ڈی این کول کی نااہلیت نے ماحول میں چنگاریاں پھینکیں اور سی ' آر ' پی کی اندھا دھند فائرنگ سے ۱۴ ' ۱۸ ' اور ۱۹ سال کے چار کم عمر طلبہ جان بحق ہو گئے اور بہت سارے لوگ زخمی بھی ہوئے ۔ جان بحق ہونے والوں کے نام یہ ہیں ۔

۱۔ بشیر احمد میر۔ ۲ ۔ عبدالاحد بٹ ۔ ۳ ۔ محمد انور لہروال اور نثار احمد۔

اس سانحہ کے بعد سارے شہر میں کرفیو نافذ کیا گیا اور بہت سارے لوگ گرفتار کئے گئے ۔ اس غمناک صورت حال میں حکومت نے کشمیر اور پنجاب یونیورسٹیوں کے درمیان سری نگر اسٹیڈیم میں ۷ اکتوبر کو ایک فٹ بال میچ کا اہتمام کیا ۔ کھیل کے دوران سٹیڈیم کے اندر بعض ناخوشگوار فرقہ وارانہ واقعات رونما ہوئے ۔

اس صورت حال کو دیکھ کر باہر بی ۔ اے ۔ سی کا ایک سپاہی بندوق اٹھا کر دوڑا دوڑا جنرل روڈ پر آگیا جہاں اس نے راہ گیروں پر بے تحاشا فائرنگ کی ۔ جس کے نتیجے میں خواجہ غلام احمد کچھو اسسٹنٹ انجینئر گاندربل آف دلنہ اور عبدالعزیز تیلی چاڈورہ جان بہ حق ہو گئے ۔ اور دو افراد زخمی ہوئے۔ ۲۷ اکتوبر کے سانحہ پر سارے کشمیر میں صف ماتم بچھ گئی اور تمام قصبوں کی مساجد میں ریاستی حکومت ' غیر ریاستی پولیس اور ڈی ۔ آئی جی کشمیر مسٹر ڈی ' این کول کے خلاف زبردست احتجاج کیا گیا ۔ (بحوالہ محاذ رائے شماری کا پریس نوٹ ۔ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

ہندو دوشیزہ کا قبول اسلام

اگست ۱۹۶۷ء میں سری نگر فرقہ وارانہ کشیدگی کی لپیٹ میں آگیا ۔ جب یہاں کی ایک ہندو دوشیزہ پرمیشوری نے اسلام قبول کر کے سری نگر ہی کے ایک مسلمان نوجوان سے شادی کی ۔ جس کا اسلامی نام پروین رکھا گیا۔ تبدیلی مذہب کے اس واقعہ پر کشمیر کا ہندو فرقہ سخت برہم ہو گیا اور ریاست کے اندر اور باہر فرقہ پرستوں نے اس کی آڑ میں مسلمانان کشمیر کے خلاف اشتعال انگیز سرگرمیاں شروع کیں اور وادی کے مسلمان حکمرانوں کو بھی اپنی مخالفت و ملامت کا نشانہ بنایا پنڈت ایجی ٹیشن کی رہنمائی کرنے والی ہندو ایکشن کمیٹی کی مضبوطی اور تنظیم کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا بڑا آسان تھا کہ فرقہ پرستوں کے اصلی عزائم کیا تھے اور کہاں سے شیتل ناتھ کی تاریں ہل رہی تھیں ۔ آخر ہندوستان کے وزیر داخلہ وائی بی چوان نے ریاستی حکومت اور ہندو ایکشن کمیٹی کے درمیان صلح کرائی ۔ بہر حال اس ایجی ٹیشن نے سیکولر خیال کے کئی مسلمان سیاست کاروں کے سوالات کو حل کر دیا ۔

سانحہ مسجد اقصیٰ اور کشمیر

۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو اسلامی دنیا ایک عظیم سانحہ سے دو چار ہو گئی ۔ جب یروشلم میں اسرائیل نے اپنے مذموم اور ناپاک مقاصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے قبلہ اول مسجد اقصیٰ کو جزوی طور پر نذر آتش کر دیا ۔ کشمیر کی بھاری اکثریت کو توحید کے پیغام اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت اور قرآن حکیم کی صداقت الٰہی و ابدی کی وجہ سے عرب کے چپے چپے کے ساتھ جو والہانہ عقیدت و محبت ہے ۔ اس

نے انہیں مسجد اقصیٰ کے عظیم سانحہ کی خبر سے بے قرار و بے آرام کر دیا۔ ان کے جذبات میں قدرتی طور پر آگ لگ گئی۔ وہ سوچنے لگے۔

کشمیر کے چنار کہ سینا کے ریگ زار
انسان ہر دیار میں دیوؤں کا ہے شکار
میں جانتا ہوں آج ہمالہ سے طور تک
تہذیب حسن کار کی اقدار کے مزار

(نعیم صدیقی)

عالم اسلام کے سانحہ عظیم پر وہ خاموش بیٹھنے والے نہ تھے چنانچہ ۲۲ اگست سے اسرائیل اور اس کے پالنے والوں کے خلاف اور فلسطینی عوام کی منصفانہ جدوجہد کے حق میں کشمیر کے طول و عرض میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ سری نگر، بارہ مولہ، سوپور اور اسلام آباد سب سے زیادہ ان مظاہروں کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس سے پہلے ۲۱ اگست کو پولیس نے سوپور میں مظاہرین پر فائرنگ کی اور یہاں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ایک حریت پسند نوجوان غلام محمد خان ٹانگ میں گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔ اس کے علاوہ حکومت نے سرینگر بارہمولہ اور اسلام آباد کے اضلاع میں دفعہ ۱۴۴ اور ۵۰ نافذ کی اور تمام میٹنگوں اور مظاہروں کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ حکومت کے اشتعال انگیز طرز عمل کے خلاف ۲۳ اگست کو وادی بھر میں احتجاجی ہڑتال ہوئی اور جگہ جگہ نماز جمعہ کے اجتماعات پر صیہونی منصوبوں کی مذمت کی گئی۔ سری نگر کی تاریخی جامع مسجد اور حضرت بل کی مسجد میں دو بڑے اجتماع ہوئے جن میں اسرائیلی سازش کی مذمت کرنے کے علاوہ مسجد اقصیٰ کی عقیدت میں مظاہرہ کرنے والے کشمیری عوام کے تئیں بھی حکومت کشمیر کے رویہ کو افسوسناک قرار دیا گیا۔ حبہ کدل سری نگر میں مظاہرین اور پولیس کے درمیان جھڑپوں کے دوران پولیس نے گولی چلائی اور کہتے ہیں کہ ایک شخص زخموں کی تاب نہ لا کر ہسپتال میں چل بسا اور سوپور میں دوسری بار ۲۴ گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ جگہ جگہ طلبہ کی عام گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔ اور پولیس کے سپاہیوں نے بیٹوں کے بدلے ان کے باپ حراست میں لینے کے اقدامات کئے۔ ۲۳ اگست کو پھر وادی بھر میں ہڑتال رہی اور سرینگر کے کئی علاقوں میں تشدد آمیز واقعات کے بعد ۲۴ گھنٹے کا کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ۳۰ اگست کو ۱۶۸ گھنٹوں کے بعد سری نگر کے تمام علاقے کرفیو سے آزاد ہو گئے لیکن گرفتاریوں کا

سلسلہ اب بھی جاری رہا۔ اور سنٹرل ریزرو پولیس کے مظالم اور دہشت گردی کی شکایات منظر عام پر آ گئیں۔

اسلامیہ کالج پر حملہ اور میری گرفتاری

۱۹۶۸ء میں طلبہ میں بے چینی کی ایک اور لہر آئی ستمبر یا اکتوبر میں پولیس نے انکشاف کیا کہ اس نے رات کے وقت اسلامیہ کالج سری نگر سے این سی، سی کی رائفلیں چرانے کی ایک کوشش کو ناکام بنا دیا ہے اور کئی طلبہ کو موقعہ پر ہی حراست میں لے لیا ہے۔ جبکہ اسے دو اور مفرور طلبہ کی تلاش ہے۔ پولیس نے گرفتار کئے گئے طلبہ کے خلاف ڈکیتی۔ اقدام قتل تخریب کاری اور پاکستان کے ساتھ ساز باز کرنے کے سنگین الزامات عائد کئے۔ سری نگر کے کالجوں کے طلبہ نے اسیر طلباء کے خلاف دائر کئے گئے مقدمہ کی سماعت کے روز عدالت میں جمع ہونا شروع کیا۔ چنانچہ حکومت نے ایک خصوصی بند عدالت مقرر کر کے سنٹرل جیل میں مقدمے کی سماعت کرانے کا فیصلہ کر دیا۔ حکومت کی اس کارروائی کے خلاف طلبہ نے ہڑتالیں اور مظاہرے کئے اور ایک کھلی عدالت میں سماعت کرنے کی مانگ کی۔ ۵ نومبر ۶۸ء کو پولیس نے انکشاف کیا کہ اس نے اسلامیہ کالج پر حملہ میں ملوث دونوں روپوش طالب علم ملزموں کو سرینگر میں گرفتار کر لیا ہے۔

میں نے اسی سال جنوری میں سری نگر کے ہفت روزہ "اذان" کی ادارت کے فرائض سنبھالے تھے۔ ۸ نومبر کو نماز جمعہ کے بعد خفیہ پولیس کے افسر میرے دفتر پر آئے اور مجھے گرفتار کر کے پوچھ تاچھ مرکز گپ کار نمبر ۱۶ پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے مجھے باغ مہتاب پوچھ گچھ کیمپ اور آخر جنوری ۶۹ء میں سنٹرل جیل سری نگر منتقل کر دیا گیا۔ میری گرفتاری کے بعد ۱۶ نومبر ۶۸ء کو ریاست کے وزیر اعلیٰ خواجہ غلام محمد صادق نے ایک پریس کانفرنس بلائی اور بڑے ہی عجیب وغریب انکشافات کرتے ہوئے کہا کہ "کشمیر پولیس نے ہفتہ وار "اذان" کے ایڈیٹر سمیت تقریباً دو درجن پاکستانی تخریب کاروں کی ایک اور ٹولی کو گرفتار کر کے بے نقاب کر دیا۔"

دو ماہ تک گپ کار اور باغ مہتاب کے پوچھ تاچھ کے تعذیبی مرکزوں میں مجھے اور میرے دوسرے نظربند ساتھیوں کے ساتھ کشمیر کی خفیہ پولیس کے افسروں اور کارندوں نے نہایت ہی بہیمانہ جسمانی اور ذہنی سلوک کیا اور ابتلاء اور تشدد کے سنگین لمحات میں راتوں کا سونا بھی ہمارے لئے حرام قرار دیا گیا۔ لیکن منشاء الٰہی کی بدولت

یہاں کے تجربے نے مجھے اپنے نظریئے پر اور زیادہ راسخ اور حوصلہ مند بنا دیا۔

بعد میں حکومت نے بعض طالب علموں نوجوانوں اور ان کے والدین کو ہراساں وپریشان کرنے اور ان کا تعلیمی مستقبل برباد کرنے کے لئے اسلامیہ کالج ڈکیتی' سازش کیس گھڑا۔ مجھے لگ بھگ دو برس کے بعد اگست ۱۹۷۰ء میں رہا کردیا گیا۔

کچھ اور نوجوانوں اور طالب علموں کے خلاف ۱۹۶۹ء میں پولیس نے نواکدل قتل وسازش کیس" کے عنوان سے ایک اور مقدمہ گھڑا۔ اس مقدمے کی سماعت بھی سنٹرل جیل سری نگر کی بند عدالت میں جاری رہی۔ ان نوجوانوں پر نواکدل کے پل پر فروری ۱۹۶۶ء میں رات کے وقت ایک بی ایس ایف سپاہی کو قتل کرنے کا الزام عائد کیا گیا۔ اسلامیہ کالج ڈکیتی اور نواکدل قتل کیس کے مقدمات گھڑ کر حکومت کشمیر نے کئی برس تک ان طالب علموں اور نوجوانوں کو بے دردی سے پامال کرنے کی جدوجہد جاری رکھی۔ لیکن تمام قسم کی اذیتیں برداشت کرتے ہوئے یہ طالب علم بہادری کے ساتھ اپنے خلاف مقدمے کی پیروی کرتے رہے۔

اسلامیہ کالج ڈکیتی وسازش کیس میں جو طلبہ ملزم بنا دیئے گئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ محمد اسلم وانی' علی محمد ڈار' غلام محمد بابا' عبدالکریم' ظہور احمد شہداد' معراج الدین' حفیظ اللہ' پیر محمد الیاس اور محمد سلیم بیگ۔

نواکدل قتل و سازش کیس کے ملزم طلبہ و نوجوانوں کے نام یہ تھے:

غلام رسول زہگیر' عبدالحمید شاہ' اور سید سرور' عبدالحمید شاہ دس ماہ تک انٹروگیشن مرکز میں زیر تفتیش رکھے گئے' اور انہیں مقدمے کا سلطانی گواہ بننے پر مجبور کردیا گیا۔ لیکن عدالت میں حاضر کئے جانے کے روز انہوں نے جرات اور زندگی کا حیرت انگیز مظاہرہ کرکے اپنے بیان سے عدالت میں ہلچل مچادی۔ اور استغاثہ کی پوری عمارت زمین بوس کرکے چھوڑی۔ آخر کار حکومت نے ۱۹۷۵ء میں دونوں مقدمے واپس لئے۔

سوپور کے دفتروں پر پاکستانی جھنڈا

مارچ ۶۹ء میں کشمیر بے چینی اور افراتفری کی لپیٹ میں تھا ہی کہ سوپور کی ہنگامہ خیز بستی میں ریاستی حکومت نے کئی روز تک کرفیو نافذ رکھا' اور ۲۱ مارچ کو کرفیو کے نفاذ میں مزید ۲۴ گھنٹے کا اضافہ کر دیا۔ یہ صورتحال اس وقت رونما ہوئی جب ایک

مشتعل جلوس نے کانگریس جن سنگھ' سوتنترا پارٹی اور محاذ رائے شماری کے مقامی دفاتر پر ہلہ بول دیا اور ان کے تمام جھنڈے اتار دیئے۔۔۔۔ اور ان دفتروں پر پاکستانی جھنڈے لہرائے گئے۔ مظاہرین بھارت کے خلاف ہی نہیں بلکہ پہلی بار محاذ رائے شماری اور شیخ عبداللہ کے خلاف بھی نعرے بلند کر رہے تھے۔ پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم کے بعد پولیس کی گولیوں سے تین افراد زخمی ہو گئے۔ جو بعد میں چل بسے۔ اس ہنگامے میں ڈسٹرکٹ کے ایس' پی مسٹر احمد شاہ المعروف شام جی بھی سخت زخمی ہو گئے۔ ان واقعات کے باعث وادی بھر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ اور تمام تعلیمی ادارے تین روز کے لئے بند کر دیئے گئے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ان ہنگاموں سے پہلے محاذ رائے شماری نے آنے والے عام انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ محاذ کے اندر الیکشن لڑنے کے حامیوں اور مخالفوں کے درمیان محاذ آرائی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ان تشدد آمیز ہنگاموں کی وجہ سے حکمران جماعت وادی میں ہندوستان کے منتخب صدر مسٹر وی۔ وی گری کی کامیابی کی خوشیاں نہ منا سکی۔ ہنگاموں پر قابو پانے کے لئے حکومت نے سینکڑوں لوگوں کو گرفتار کرکے تھانوں اور جیل خانوں میں نظربند کر دیا۔

۱۹۴۷ء کے آزاد کشمیر کے مہاجرین

سری نگر میں ۱۴ اور ۱۵ اکتوبر ۶۹ء کو کشمیر اسمبلی کے اس مسودہ قانون کے خلاف عوام نے زبردست مظاہرے کئے جس کی منظوری کے بعد ان مہاجرین کو جنگ بندی لائن کے اس پار زمینوں پر ملکیتی حقوق مل سکتے تھے۔ اور یہاں ان کو بسانے کا مستقل بندوبست بھی ہو جاتا جو جنگ کے دوران آزاد کشمیر سے یہاں بھاگ آئے تھے۔ سنٹرل ریزرو پولیس نے سری نگر میں اس مسودہ قانون کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کرنے والوں کے خلاف طاقت کا وحشیانہ استعمال کیا۔ گولیاں چلائیں اور ایس پی کالج کے احاطے میں داخل ہو کر پروفیسروں اور طالب علموں کو زدوکوب کیا۔ پولیس کے ڈنڈوں نے ایک سترہ سالہ طالب علم کی جان لے لی۔ اس سے پہلے ۷ اکتوبر کو طلباء نے اسمبلی میں مسودہ قانون پیش کئے جانے کے خلاف تشدد آمیز مظاہرے کئے تھے:

الفتح پر پولیس کا چھاپہ

۱۹۶۸ء میں میری گرفتاری اور بعض طالب علموں اور نوجوانوں کو اسلامیہ کالج ڈکیتی کیس اور نواکدل قتل کیس میں ملوث کر لینے کے ساتھ ہی پولیس نے غلام رسول زگیر ، فضل الحق قریشی اور نذیر احمد وانی کو روپوش قرار دے کر ان کی گرفتاریوں کے وارنٹ جاری کر دیئے تھے۔ آخر ۱۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو پولیس نے اپنے ایک سنسنی خیز اعلان میں انکشاف کیا کہ اس نے سری نگر سے چند میل دور اسلام آباد سڑک پر بارسو کے مقام پر ایک زیر زمین اور مسلح تنظیم "الفتح" کے ہیڈکوارٹر کا سراغ لگایا ہے۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ اسے پلوامہ ٹریجری اور جموں وکشمیر بنک ڈکیتیوں کا سراغ بھی ملا ہے' اس سلسلے میں پولیس نے جن تیس نوجوانوں اور طالب علموں کو گرفتار کرنے کا انکشاف کیا ان میں غلام رسول زگیر ' فضل الحق قریشی' نذیر احمد وانی' ڈاکٹر فاروق احمد بٹ' ڈاکٹر اعلیٰ غلام محمد نائیکو' حمید اللہ بٹ وغیرہ شامل تھے۔ گرفتار کئے گئے۔ تیس نوجوانوں پر کشمیر میں پاکستان کے اشارے پر تخریب کاری' مسلح ڈکیتی اور اعلیٰ سیاسی اور فوجی شخصیتوں کے قتل کی سازش کرنے کے الزامات میں الفتح کیس کے نام سے ایک مقدمہ دائر کیا گیا۔ حکومت جموں وکشمیر کے دھماکہ خیز اعلان سے کشمیری عوام حیرت میں ڈوب گئے۔ اور بیرونی دنیا یہ تاثر لینے پر مجبور ہو گئی کہ کشمیر میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ گرفتار کئے گئے تمام نوجوانوں کی باغ مہتاب اور گپ کار کے خفیہ مرکزوں میں پوچھ گچھ کی گئی۔ اور پھر انہیں سنٹرل جیل جموں بھیج دیا گیا۔ مقدمہ کی سماعت کے لئے ایک خصوصی عدالت قائم کر دی گئی جس نے پہلے جموں میں اور بعد میں سرینگر میں اپنے اجلاس جاری رکھے۔ اس مقدمے میں ملزموں کی طرف سے مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر پیارے لال ہنڈو نے وکالت کی۔ مقدمے کی سماعت کے دوران حکومت نے محسوس کیا کہ وہ الزامات کو ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو گی' اس لئے اگست ۱۹۷۷ء میں وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ایک کیبنٹ فیصلہ کے تحت الفتح کیس کو واپس لینے کا اعلان کیا۔ اور یہ سب ہی نوجوان واپس اپنے اپنے عہدوں پر بحال ہو گئے۔ الفتح کے نوجوانوں نے نظربندی کے پورے عرصے میں اذیتوں اور مالی و مادی مصائب کا سامنا کیا۔ اس کے باوجود ان کا ایثار اور استقلال قابل تعریف تھا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ باہمی انتشار و اختلاف کے شکار ہو کر بکھر گئے ہیں۔

کشمیری نوجوانوں کی ہائی جیکنگ

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو کشمیر کی جدوجہد میں ہائی جیکنگ کی شکل میں ایک نیا عنصر داخل ہوگیا۔ جب دو کشمیری نوجوانوں ہاشم قریشی اور اشرف قریشی نے سرینگر سے جموں کی اڑان پر جانے والا انڈین ایئر لائنز کا ایک فوکر فرینڈ شپ طیارہ ہائی جیک کرکے لاہور پہنچایا۔ اور ۳ فروری کو مسافروں اور عملے کو رہا کرکے ایک دھماکے سے جہاز کو شعلوں کی نذر کر دیا۔ شہری ہوا بازی کی ہند پاک تاریخ میں یہ پہلا دھماکہ خیز واقعہ تھا۔ حکومت پاکستان نے ہائی جیکروں کو گرفتار کرکے ان پر ایک مقدمہ چلایا لیکن پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ اور ہند نے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان پاکستان کی پروازوں کو ممنوع قرار دیا۔ جس سے مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسند عناصر کی حوصلہ افزائی ہوئی اور جب دسمبر ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے اور یہ سرزمین تیسری ہند پاک جنگ کا اکھاڑہ بن گئی۔ پاکستان اپنے مشرقی بازو کے ساتھ ہوائی راستے سے منقطع رہا۔ انجام کار ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو سقوط ڈھاکہ عمل میں آیا اور مملکت خداداد کا ایک بازو ٹوٹ گیا۔

اس ہائی جیکنگ میں ہائی جیکروں خاص کر ہاشم قریشی کی ذات بڑی ہی متنازعہ رہی حتیٰ کہ کشمیر کے عوام خاص کر حریت پسند حلقے بھی ہائی جیکنگ کے اس منصوبے کے پس منظر اور تہ منظر پر ابتداء سے ہی تذبذب اور تشکک میں مبتلا رہے۔ ۱۹۸۱ء میں بی' ایم سنہا کی تصنیف SAMBA SPYING CASE نے اس تذبذب میں اور بھی اضافہ کردیا۔ جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہائی جیکنگ کا یہ منصوبہ ٹھیک مشرقی پاکستان کے بحران کے عروج پر خود ہند کی ہدایات کے تحت عمل میں لایا گیا تھا۔ واللہ اعلم! *بعد میں پاکستانی کی سپریم کورٹ نے مسٹر ہاشم قریشی اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو حریت پسند اور محب وطن قرار دے کر تمام الزامات سے بری کیا*

کشمیر یونیورسٹی پر چھاپہ

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں جب جھیل ڈل کے کنارے پر ایک حسین و مناظر آشنا کیمپس میں طلبہ میں تقسیم اسناد کے سلسلہ میں مہاراشٹر کے صدر علی یاور جنگ کی صدارت میں کشمیر یونیورسٹی کا کانوکیشن ہونے والا تھا۔ تو پولیس نے انکشاف کیا کہ اس نے یونیورسٹی پر چھاپہ مار کر کچھ اسلحہ برآمد کیا ہے۔ اور کچھ طلبہ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ گرفتار کئے گئے طلبہ کے خلاف آرمز ایکٹ کے تحت ایک مقدمہ رجسٹر کر دیا

گیا' جو اب بھی چل رہا ہے' اس میں ملوث کئے جانے والے افراد کے نام یہ ہیں:
محمد مصدق عادل' محمد اسلم وانی' غازی خان اور غلام نبی کبانی

جموں و کشمیر بینک کی لنگیٹ شاخ پر چھاپہ

آزاد کشمیر میں محاذ رائے شماری اور این' ایل' ایف سے تعلق رکھنے والے محمد مقبول بٹ صاحب جو ۱۹۶۷ء میں سولی کا فیصلہ سن لینے کے بعد ۱۹۶۸ء ہی میں سنٹرل جیل سری نگر سے فرار ہو کر آزاد کشمیر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ دوبارہ مئی ۱۹۷۶ء میں سرحد پار کرکے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ شمالی کشمیر میں داخل ہو گئے اور یہاں کے گاؤں براٹھ میں ایک زمیندار کے ہاں اپنا کیمپ سجایا' اور بہت سارے لوگوں کے ساتھ اپنا رابطہ قائم کیا خاص کر ان لوگوں کے ساتھ جن سے وہ ۱۹۶۶ء میں بھی ملے تھے۔ لیکن اب چونکہ ان میں سے بہت سارے افراد بدل چکے تھے۔ یا اونچے اونچے عہدوں پر متمکن ہو گئے تھے۔ اس لئے محمد مقبول بٹ کے ہمت افزا خیالات نے ان کو مائل نہیں کیا' بہرحال انہوں نے ریاست جموں و کشمیر کی ایک خو مختار مملکت کے قیام کی کوششیں کرنے پر زور دیا۔ وادی کشمیر میں اپنے قیام کے دوران انہوں نے جنوبی کشمیر کا چکر بھی لگایا۔ کشمیر سے واپسی پر لنگیٹ کے مقام پر محمد مقبول بٹ نے بہ قول پولیس جموں و کشمیر بینک کی لنگیٹ شاخ پر حملہ کیا اور معمولی سی رقم بینک مینجر سے چھین لی۔ رپورٹ کے مطابق بینک مینجر کی چیخ و پکار سے ارد گرد کے گاؤں والے جمع ہو گئے۔ جنہوں نے بٹ کو ایک ڈاکو تصور کرکے بے دردی کے ساتھ اس کی مار پیٹ کی۔ الزامات کے مطابق محمد مقبول بٹ کے ایک ساتھی نے گولی چلا دی۔ جس سے بینک مینجر غلام محمد ماگرے ہلاک ہو گئے۔ محمد مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کو بعد میں پولیس کے سپرد کر دیا گیا لیکن ایک ساتھی پہلے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ اس کے بعد پولیس کی ٹولیاں ریاست بھر میں سرگرم ہو گئیں۔ اور سیاسی نکتہ نظر سے وزیراعظم مسز اندرا گاندھی' وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور دوسرے ہندوستانی لیڈروں کے خیالات کو سخت دھچکا پہنچا۔ کیونکہ اندرا' عبداللہ معاہدے کے بعد یہی دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ اب کشمیر کوئی بین الاقوامی سوال نہیں رہا ہے۔ اور بقول اندرا گاندھی اب مسئلہ کشمیر صرف یہ ہے کہ کشمیر کے عوام کانگریس پارٹی میں بھرتی ہوں یا کہ نیشنل کانفرنس میں۔ لنگیٹ کے واقعات کے بعد پولیس نے اپنی پرانی عادت سے مجبور ہو کر

جموں و کشمیر پیپلز لیگ کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا کہ انہوں نے ایک اشتہاری ملزم کے ساتھ ملاقات کرنے کے باوجود پولیس کو اطلاع کیوں نہ دی اس طرح لیگ والے ایک مقدمے میں پھنسا دیئے گئے۔ محمد مقبول بٹ اس وقت تہاڑ جیل میں بند ہیں۔ لنگیٹ مقدمے میں ابھی تک انہیں عدالت میں نہیں لایا گیا۔ البتہ سزائے موت کے ۱۹۶۷ء کے فیصلے کے خلاف صدر ہند نے ان کی اپیل پر فیصلہ نہیں دیا ہے۔

کشمیریوں کی دوسری ہائی جیکنگ

مئی ۱۹۷۶ء میں لنگیٹ کے واقعات کے کئی ماہ بعد چھ کشمیریوں نے نئی دہلی میں ایک مسافر بردار بوئنگ طیارے پر سوار ہو کر اس کو پاکستان کی طرف ہائی جیک کر لیا۔ اور طیارے کو لاہور کے ہوائی اڈے پر اتار لیا۔ جہاں پاکستانی کمانڈوز نے ہوشیاری اور پھرتی کا زبردست مظاہرہ کرتے ہوئے' چھ کے چھ ہائی جیکروں پر غلبہ حاصل کر لیا' اور طیارے کو ان کے تصرف سے چھڑا کر واپس ہندوستان بھیج دیا۔ ہائی جیکر حراست میں لئے گئے اور پاکستانی سراغ رسانوں نے ان سے پوچھ گچھ کی' لیکن حکومت پاکستان نے ان کے مطالبات اور مقاصد کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ البتہ یہ کہا جا رہا ہے کہ ہائی جیکر محمد مقبول بٹ کے حامی تھے۔ اور ہائی جیکنگ کے ذریعے وہ بھارت پر دباؤ ڈال کر محمد مقبول بٹ کو ہندوستانی قید سے چھڑانے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔ حکومت پاکستان نے ہائی جیکروں کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور انہیں ہندوستان کے سپرد کرنے کا ہندوستانی مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ ان میں سید عبدالحمید دیوانی' اور سید محمد رفیق شامل تھے۔

اضافہ ۱۹۹۴ء

ان کے ہمراہ جو دوسرے ہائی جیکر تھے ان کے نام یہ ہیں محمد احسن راتھر' عبدالرشید ملک' غلام رسول اور غلام نبی' سید عبدالحمید یوانی ۴ جون ۱۹۹۳ء کو جہلم سے لاہور آتے ہوئے راستے میں حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ وہ آخری دم تک تن تنہا اپنے موقف پر ڈٹ کر کام کرتے رہے اور کبھی مایوس نہ ہوئے۔ اپنے آخری ایام میں ان کا دل زندہ اور ہمت جوان تھی۔ سفر آخرت سے کئی روز پہلے مرحوم نے آزاد کشمیر کے سرحدی علاقوں کا دورہ کیا تھا اب

وہ اپنے پیچھے اپنی رفیقہ حیات ایک کم عمر بیٹا اور بیٹی چھوڑ گئے ہیں جو جدائی کا صبر آزما زمانہ گزارنے کے بعد ۱۹۹۲ء میں مقبوضہ کشمیر سے پاکستان آنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سید عبدالحمید دیوانی بانڈی پورہ کے ایک گاؤں کونن کے رہنے والے تھے۔ چھٹی دہائی میں انہوں نے سنٹرل جیل سرینگر میں وطن کی آزادی کی خاطر چھ سال کی سزا کاٹی اور جیل سے رہا ہونے کے چند سال بعد وہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۶ء کو انڈین ایئر لائنز کا بوئنگ ۷۳۷ سرینگر سے لاہور ہائی جیک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لاہور کے ہوائی اڈے پر گرفتار ہونے کے بعد حکام نے موصوف کو اپنے دوسرے ساتھیوں کے سمیت ۱۳ ماہ شاہی قلعہ میں اور سترہ ماہ چلاس میں قید رکھا۔ بعدمیں ڈاکٹر باسط نے ان کی طرف سے لاہور ہائی کورٹ میں ایک رٹ پٹیشن دائر کی اور عدالت عالیہ نے ان کو پاکستان میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی بنیاد پر ایک ماہ کی سزائے قید کاٹنے کے لئے کوٹ لکھپت جیل بھیج دیا۔ عدالت عالیہ میں دیوانی صاحب نے کھڑے ہو کر سوال کیا کہ "ہمیں بتایا جائے کہ پاکستان کی کشمیر پالیسی کیا ہے؟ اس وقت میں اس عدالت میں کھڑا نہیں ہوں بلکہ پاکستان کی کشمیر پالیسی کھڑی ہے۔ اگر پاکستان ایک بار یہ اعلان کرے کہ اسے کشمیریوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اس کی آزادی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو ہم پاکستان کی طرف دیکھنا اور یہاں آنے کا خطرہ مول لینا چھوڑ دیں گے۔"

سٹیٹ پیپلز کنونشن سے انتخابات تک

وزیراعظم ہند کی حیثیت سے ۱۹ جنوری ۱۹۶۶ء کو اقتدار پر جلوہ افروز ہونے کے کچھ عرصہ بعد مسز اندرا گاندھی نے ہندوستان میں شیخ عبداللہ' اور ان کے ساتھیوں پر عائد کردہ پابندیاں نرم کیں' انہیں اپنے ساتھیوں کے سمیت اوٹاکمنڈ سے نئی دہلی منتقل کر دیا گیا۔ اور دو جنوری ۶۸ء کو ان کے لئے ریاست جموں وکشمیر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ ہندوستان کے مسند اقتدار پر مسز اندرا گاندھی کی آمد شیخ محمد عبداللہ کے لئے خوشی کا باعث تھی' کیونکہ مسز اندرا گاندھی کے آنجہانی پتا جی شیخ عبداللہ کے "جگری دوست" رہ چکے تھے۔ اور جواہر لال کے کنبے کے ساتھ ان کے قدیم اور بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ سری نگر پہنچ جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنے کے لئے "سٹیٹ پیپلز کنونشن" منظم کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ کنونشن میں حصہ لینے کے لئے مختلف حلقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ان کی انفرادی حیثیت میں دعوت نامے دیئے گئے۔ کنونشن کے پہلے اجلاس کا افتتاح کرانے کے لئے عبد اللہ نے ہندوستان کے سرودیہ لیڈر جے پرکاش نارائن کو سرینگر مدعو کیا' اور خود ہوائی اڈے سے مجاہد منزل تک ہندوستانی لیڈر کا زبردست استقبال کرایا۔ اس کنونشن میں دوسو پچاس یا اس سے زائد اصحاب نے شرکت کرکے اپنے اپنے خیالات پیش کئے۔ مسٹر جے پرکاش نارائن نے سٹیٹ پیپلز کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے مجاہد منزل میں خبردار کیا۔

"پاکستان کے ساتھ ۱۹۴۷ء کی جنگ کے بعد اب کشمیر کا حل صرف انڈین یونین کے آئین کے ڈھانچہ میں رہ کر دریافت کیا جا سکتا ہے"

یہ صورتحال دیکھ کر اہل کشمیر شیخ عبد اللہ سے پھر مایوس ہو گئے' اور ۶۸ء اور ۶۹ء میں اس کا رد عمل ظاہر ہوا۔ مختلف شخصیتوں کے خیالات سننے کے بعد سٹیٹ پیپلز کنونشن کا آٹھ روزہ سیشن اس قرارداد کی منظوری کے ساتھ ملتوی ہو گیا:

"مسئلہ کشمیر کا کوئی بھی حل جو عوام کو قابل قبول ہو' اسے ریاست کے تمام خطوں کے مفادات کو نگاہ میں رکھ لینا چاہئے صرف اسی قسم کا حل مسئلہ کو ختم کر سکتا ہے' اور جموں وکشمیر سمیت سارے برصغیر ہندوپاکستان میں معمول کے حالات بحال کر سکتا ہے"۔

شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں مجاہد منزل میں سٹیٹ پیپلز کنونشن کا دوسرا سیشن ۸ جون ۱۹۷۰ء سے ۱۳ جون ۱۹۷۰ء تک ہوا۔ اس سیشن میں کنونشن کے رہنما اصول زیر بحث آئے' اور کئی اراکین نے رہنما اصولوں میں "سیکولر ازم" کی اصطلاح کے استعمال پر سخت اعتراضات کئے۔ جس سے کنونشن کا ماحول کشیدہ ہو گیا۔ قاری سیف الدین نے اپنا اعتراض پیش کرتے ہوئے یہ دلیل دی کہ سیکولر ازم ایک بدنام لفظ ہے۔ اور ایک خاص مملکت کی بسیار گوئی کے رحم و کرم پر ہے۔ کنونشن کو چاہئے کہ وہ کوئی ایسی اصطلاح مسودے میں شامل کرنے سے احتراز کرے' جس کے ذریعے ہند یا پاکستان میں سے کسی ایک ملک کی طرف کنونشن کے جھکاؤ کا تاثر ملے۔ شمیم احمد شمیم اور پنڈت پریم ناتھ بزاز نے سیکولر ازم کی اصطلاح شامل کرنے کے حق میں سخت اصرار کیا لیکن مبارک شاہ ایڈووکیٹ ریٹائرڈ ہائی کورٹ جج' غلام احمد میر' قاری سیف الدین اور مولانا عباس انصاری نے "سیکولرازم" کے خلاف اپنا استدلال پیش کرنے کے بعد سیشن سے واک آؤٹ کیا۔

یہ وہ راہ تھی جس کے ذریعے محاذ رائے شماری کے روح رواں نے حق خود ارادیت کی جدوجہد کے لہو آشناء پودے کی گردن میں قانون اور بحث و مباحثے کا پھندا ڈال کر عوام کو رجعت پسندی پر گامزن ہو جانے کا واضح اشارہ دیا:۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملّا ہے نہ زاہد نہ حکیم

اپنی گردنوں اور حریت پسند عوام کی گردنوں میں رجعت اور فراریت کا پھندا ڈالتے ہوئے یہ لیڈر ثابت قدم جماعتوں کی جدوجہد اور فتح آشنائی کی زندہ شہادتیں اور صداقتیں بھول گئے۔ تاریخ کا ناقص' ادھورا' سرسری اور یک طرفہ مطالعہ رکھنے والوں کے سامنے نہ الجزائر' نہ ویٹ نام' نہ افریقہ اور نہ عرب عوام کی ثابت قدمی اور جدوجہد آشنائی کے انعامات تھے۔ اب انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ قرآن حکیم کی اس بشارت سے بھی کان بند رکھیں گے کہ

وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

ترجمہ۔ اور کہدے (اے محمد) حق آنے والا' باطل اکھڑنے والا ہے۔ یقیناً" باطل اکھڑنے والی چیز ہے"۔

اور علامہ اقبالؒ کا یہ مشورہ بھی نہ مانیں گے

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

یہ لوگ اپنے بیانوں اور تحریروں میں اقبالیات کا وظیفہ ضرور پڑھنے کے عادی تھے' لیکن افسوس انہیں خبر نہ تھی کہ اقبال علیہ الرحمتہ ایک ایسی ثابت قدم قوم کی تلاش میں تھے۔ جس کی صفوں میں انقلاب اور ایمان کی روشنی جل رہی ہو۔ اور وہ انہی مردان خدا کو اپنا سلام پیش کرتے ہیں :۔

وجود انہی کا طواف بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

حق خود ارادیت کے مسلمہ اور مقبول عام نصب العین سے انحراف کا محتاط صلائے عام دینے کے باوجود اب بھی محاذ رائے شماری کے جلسے رائے شماری فوراً کراؤ کے نعروں سے ہی گونجتے تھے۔ اسی سال شیخ عبداللہ اور محاذ رائے شماری نے قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کی پرانی راہ تبدیل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا' اور کئی عوامی جلسوں میں اعلان کیا کہ آج سے محاذ حق خودارادیت اور رائے شماری کا مطالبہ منوانے کے لئے قانون ساز اسمبلی میں داخل ہونا چاہتا ہے' اور کچھ عرصہ بعد مارچ ۱۹۷۱ء میں جب شیخ عبد اللہ پابندی وطن کی وجہ سے نئی دہلی میں محصور تھے' تو انہوں نے ایک بیان میں انکشاف کیا:

" مجھے دہلی میں ۱۹۶۸ء میں رہائی سے پہلے کئی دوستوں اور کشمیریوں کے بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ میں پارلیمنٹ کے عام انتخابات میں حصہ لوں۔ اس پر گہرائی سے غور و خوض کر لینے کے بعد میں نے محاذ رائے شماری کو عام انتخابات میں مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا' اور میں نے خود الیکشن لڑنے کے لئے اپنے کاغذات نامزدگی آپ داخل کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا"۔

پارلیمنٹ انتخابات میں شرکت

جنوری ۱۹۷۱ء میں شیخ محمد عبداللہ' مرزا محمد افضل بیگ اور غلام محمد شاہ دہلی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ۹ جنوری ۷۱ء کو جب وہ واپس سری نگر لوٹنے والے تھے۔ حکومت جموں وکشمیر کے امتناعی احکامات کے تحت ریاست میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔ اس

واقعہ کے تین روز بعد ہندوستان کی غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے ایکٹ کی رو سے محاذ رائے شماری کو کالعدم قرار دیا گیا' اور اس کے تمام دفاتر سربہ مہر کر دیئے گئے۔ اس سے قبل ۱۷ دسمبر ۱۹۷۰ء کو وزیراعظم مسزاندراگاندھی نے پارلیمنٹ توڑ کر وسط المدتی انتخابات کرانے کا اعلان سنایا تھا۔

کشمیر میں بھی پارلیمنٹ انتخابات کے لئے تیاریاں شروع ہو گئیں اور جلا وطن رہنما نے سری نگر کی پارلیمانی نشست سے الحاق ہند کے ایک زبردست ترجمان شمیم احمد شمیم کو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑا کیا۔ان کے مقابلے میں ریاست کے سابق وزیراعظم بخشی غلام محمد تھے اپنے جلاوطن قائد کی ہدایات کے تحت کشمیر میں کالعدم محاذ رائے شماری کی تمام صفیں شمیم کی خاطر سرگرم عمل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ "سرتاج" نے بیگم صاحبہ کو بھی سری نگر روانہ کر دیا' یہ ہدایت دے کر کہ وہ کشمیری عوام کو شمیم کے حق میں بھاری پیمانے پر منظم کریں۔ بیگم عبداللہ نے سری نگر پہنچ کر شمیم کی انتخابی مہم کے سلسلے میں پہلے انتخابی جلسے کا افتتاح کر لیا۔ اور مولانا مسعودی کو بھی اس مہم کے دو پٹے کے ساتھ باندھ لیا۔وزیراعلیٰ مسٹر صادق کے چچا زاد بھائی غلام محی الدین قرہ بھی سابق وزیراعظم بخشی غلام محمد سے انتقام لینے کی خواہش رکھتے تھے۔اس دور کے حالات کے مطابق مسٹر شمیم کے حق میں بیگم عبداللہ کی مہم تو سمجھ میں آ سکتی تھی' کیونکہ بیگم عبد اللہ نے ہمیشہ ہی اپنے سرتاج کے احکامات کی بے چوں و چرا تابعداری کی راہ اپنائی ہے۔ لیکن بعض لوگوں کے لئے اس لڑائی میں مولانا مسعودی کا کردار تعجب انگیز تھا۔ مولانا مسعودی نے ایک انتخابی جلسے میں اعلان کیا:۔

"اگر شیخ صاحب ہمیں کھمبے کو ووٹ دینے کی ہدایت کریں تو ہم ضرور کھمبے کو ووٹ دیں گے"

مولانا مسعودی کو اپنی اس غلط روی کا کچھ احساس بھی تھا۔ لیکن وہ ایک تاویل پسند لیڈر کی طرح تاویلات کے جمع و ترتیب سے اپنی تمام غلط کاریوں کا دفاع بھی کرتے آئے ہیں۔ افسوس کہ ۱۹۷۷ء میں مولانا مسعودی نے اپنی کھمبہ نوازیوں کو ایک ایسی چیز کے حق میں قربان کر دیا جس نے ان کی پوری سیاسی زندگی اور سیاست پر شکست و حسرت کا مقطع لکھ دیا۔مسٹر شمیم کی سرگرم حمایت کرکے شیخ عبداللہ مرکز کو اپنی عوامی قوت کا احساس دلانا چاہتے تھے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ پارلیمنٹ

سیٹ کے دونوں امیدوار بخشی غلام محمد اور مسٹر شمیم بھارت کے ساتھ الحاق کے قائم رکھنے پر متفق الرائے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بخشی غلام محمد نے اپنے دس سالہ دور اقتدار میں حق خود ارادیت اور حزب اختلاف کی آوازوں کو سخت روی سے کچلنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جبکہ ان کا انتخابی حریف حق خود ارادیت کے خلاف اپنے قلم سے خوب خوب کام لے چکا ہے۔ اور اب اس الحاق کے سائے میں پلنے والی بدنمائیوں کو رعنائیوں میں بدلانے کا خواہش مند تھا۔ وہ اس غیرمعقول' غیر فطری اور غیر جمہوری تعلق کو تحریر' تقریر اور تبلیغ سے قبولیت کا لباس پہنانے کا علمبردار تھا۔

نیا باب' نئے اوراق

گھر سے باہر دہلی میں رو کی گئی لیڈر شپ اور کالعدم محاذ رائے شماری کے دوسرے لیڈروں کے بیانات اور اقدامات' احکامات اور ہدایات نئی دہلی اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کسی نئے معاہدے کی تیاریوں کی غمازی کر رہے تھے۔ اور نئی دہلی اور شیخ عبداللہ کے درمیان تعلقات کا دھاگہ خوش گوار اور مضبوط شکل میں جوڑنے کا عمل بھی شروع ہو چکا تھا۔ علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کا یہ شعر آنے والے دور کی پیش گوئی یوں کررہاتھا

چھپا کر آستین میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

چنانچہ ۱۱ مئی ۱۹۷۲ء کو مرزا محمد افضل بیگ اور ۵ جون ۱۹۷۲ء کو شیخ محمد عبداللہ کے لئے گھر جانے کی اجازت مل گئی' اور" نئے باب کے نئے اوراق" تحریر کرنے کے لئے کشمیر کی فضا کو سازگار بنانے کا عمل شروع کردیا گیا۔ بیگ' پارتھا سارتھی مذاکرات کے ذریعے "اندرا عبداللہ پیکٹ" وجود میں لانے کے لئے قریب قریب تین برس تک طرفین کے رہنما اور صلاح کار دہلی اور سری نگر کے درمیان مزیدار اڑانیں کرتے رہے' اور خوب خوب پرلطف ضیافتوں کا مزہ چکھتے رہے اب کشمیر میں میر قاسم کی "سیادت" اور وزارت کا دور دورہ تھا' کیونکہ مسٹر صادق ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو چندی گڑھ میں ہی انتقال کر چکے تھے۔

بیگ پارتھا سارتھی مذاکرات کے آغاز کی قطعیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ البتہ نظر بندی کے دور میں ایک روز وزیراعظم مسزاندراگاندھی نے آل انڈیا میڈیکل انسٹی چیوٹ میں شیخ عبداللہ کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ پھرشیخ خودبھی وزیراعظم سے ملے تھے۔

"مسٹر بھٹو کے ساتھ شملہ مذاکرات سے کچھ وقت پہلے پریس میں ایک مختصر سا نیوز آیٹم آگیا کہ پارتھا سارتھی' شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ کے ساتھ مسئلہ کشمیر کے امکانی حل پر ایک خاموش گفتگو میں مصروف ہیں"

کہتے ہیں کہ ایک خاص حکمت عملی کی رو سے اس وقت حکومت ہند شیخ محمد

عبداللہ کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر کوئی معاہدہ کرنے کے لئے بے قرار تھی تاکہ وہ مجوزہ چوٹی کانفرنس میں پاکستان کو زور دار طریقے پر بتائے کہ گذشتہ ربع صدی سے جس شخصیت کو استعمال کرتے ہوئے وہ الحاق کشمیر کو حل طلب قرار دیتا آ رہا تھا' اب وہی بھارت کے ساتھ ایک معاہدہ طے کر چکی ہے۔ لیکن شملہ میں بھارت اور پاکستان کی سربراہ کانفرنس سے پہلے حکومت ہند اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان کوئی اکارڈ وجود میں نہ آیا۔ دوسری طرف سے شملہ مذاکرات میں پاکستان کا موقف یہ تھاکہ پہلے ۱۷ء کی جنگ سے پیدا ہونے والے سوالات طے کئے جائیں اور آخر میں تنازعہ کشمیر کے حل پر توجہ دی جائے۔

دلی میں شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کے بیانات کا لب ولہجہ کافی حد تک محتاط تھا۔ لیکن جموں وکشمیر کے محاذی کارکنوں کو نئے خطوط پر سوچنے اور بات کرنے کا سگنل مل چکا تھا۔ اور کشمیر کے ہوشمند عنصر کو وہ آثار نظر آ رہے تھے کہ نئی دہلی میں کشمیری عوام کے مسلمہ حق یعنی حق خودارادیت کو دفن کرانے کے لئے کچھ نئے گل کھلانے کے طریقوں کی تلاش تیز ہو گئی ہے۔

شیخ عبد اللہ کے خلاف امتناعی احکامات واپس لینے کے بعد نیشنل ہیرالڈ نے ہسپتال میں شیخ عبد اللہ سے ایک انٹرویو لیا۔ جس میں انہوں نے اہل کشمیر کے لئے حق خودارادیت اور رائے شماری کے مطالبات کی کوئی وکالت نہ کی۔ انہوں نے صرف ۵۳ء میں اپنی معزولی اور نظربندی کی شکایت کی۔ آپ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ کشمیر اوربھارت کا رشتہ اصولوں اور نظریات کی ہم آہنگی کی بنیاد پر جوڑنے والے دستور کے بنانے اور سنوارنے میں' میں خود بھی شریک کار تھا"۔ انہوں نے کہا کہ اگر کشمیر میں " جمہوری عمل" کو ایک بار شروع کر دیا گیا تو انتہا پسند عناصراصولوں کی بنیادپر ہونے والی مفاہمت کا راستہ روک نہیں سکیں گے۔ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی مفاد خصوصی عناصر کر رہے ہیں۔ ہنداور کشمیر کے درمیان الحاق اورشیخ محمد عبداللہ کی ذات۔۔۔ دونوں سے یکساں لگاؤ رکھنے والی مشہور ہندوستانی خاتون مس مردولاسارا بھائی نے انٹرویو کو سائیکلو اسٹایل کرکے سارے ہندوستان اور کشمیر میں تقسیم کردیا۔

مرزا افضل بیگ اپنے قائد سے پہلے وارد سری نگر ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی انہیں رائے شماری کے حامی طلبہ کے مظاہروں کا سامنا ہوا۔ ان مظاہرین کو خاموش کرانے کے لئے مرزا افضل بیگ نے کہا کہ ہم اپنے موقف پر بدستور ڈٹے ہوئے

ہیں۔ جون ۱۹۷۲ء میں شیخ عبداللہ بھی واپس سری نگر لوٹے' لال چوک پہنچنے پر شیخ کی سواری کو حق خود ارادیت نواز طلبہ کے نعرے سنائی دیئے لیکن محاذ رائے شماری کے چوکس کارکنوں نے ان طلبہ پر ہلہ بول دیا۔ اور ان کو خاموش کر دیا۔ یہ صورتحال شیخ کی نگاہ میں تھی۔ اس لئے دوسرے روز حضوری باغ میں ایک جلسہ عام میں آپ نے ابہام پسندی سے کام لیا اور کہا کہ وزیراعظم مسزاندراگاندھی نے مجھے ایک نیا باب شروع کرنے کی تجویز پیش کی ہے'اور میں بھی ہند کشمیر تعلقات کا ایک نیا باب کھولنے کا آرزو مند ہوں۔ میں کشمیریوں کو عزت و آبرو کا مقام دے کر رہوں گا اور مرکز اور ہمارے درمیان جو بات چیت ہوگی۔ اس کے نتائج عوام کے سامنے رکھوں گا۔ آپ نے یقین دلایا کہ اگر اہل کشمیر نے ہماری بات چیت کے نتائج کو منظور کیا' تو میں خود بھی اس پر صاد کہوں گا۔ وگرنہ مذاکرات کا یہ سلسلہ ختم کردوں گا۔ آپ نے انکشاف کیا کہ ہندوستان اور ریاست جموں و کشمیر کے رشتے میں گذشتہ انیس سال میں پیدا ہونے والے تعطل اور بحران کو ختم کرنے کے لئے مرکزی حکومت کے نمائندے مسٹر پارتھاسارتھی اور میرے نمائندے مرزا محمد افضل بیگ کے درمیان مذاکرات شروع ہو گئے ہیں آپ نے اس تقریر میں اٹونامی کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ دہلی میں انہوں نے اس کے حق میں متعدد بیانات دیئے تھے۔ یہ اس لئے کہ کشمیری عوام حق خود ارادیت سے ان کے انحراف کی شروعات پر پہلے ہی اپنے شدید غیض و غضب کا اظہار کر چکے تھے۔ تاہم محاذ کے حلقے اٹونامی کے حق میں اپنی تنظیم کو حرکت میں لا چکے تھے۔

شیخ قاسم تعلقات اور بلدیاتی انتخابات

وزیراعلیٰ سید میر قاسم نے تاڑ لیا کہ دہلی کی ہواؤں کا رخ کس طرف ہے' خود مرکزی ارباب اختیار نے بھی کشمیر کی گدی پر بٹھائے ہوئے اپنے ماتحتوں کو شیخ عبداللہ کے ساتھ مرکز کے تعلقات کے احیاء کی کوششوں کا سگنل بھی دیا۔ چنانچہ وزیراعلیٰ مسٹر قاسم نے بھی سری نگر میں شیخ عبد اللہ کے ساتھ قریبی تعلقات قائم کرنے میں پہل کی۔ اب دونوں کے تعلقات اس قدر قریب آگئے تھے کہ لوگ ان دونوں کی ایک دوسرے کے حق میں قصیدہ خوانی سنتے سنتے عاجز آگئے تھے۔ کچھ وقت بعد سری نگر اور قصبہ جات میں مقامی اداروں کے لئے عام انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔

حکمران کانگریس پارٹی نے ان انتخابات میں اپنے امیدوار کھڑا نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ کیونکہ وہ شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ اپنے تعلقات کو نارمل بنانے میں مصروف تھی۔ بہرحال محاذ رائے شماری کو بھرپور سرکاری حمایت حاصل رہی' اور اس نے کشمیر کے مذہبی' اعتقادی سوالات کو انتخابی مہم میں شامل کرکے مخالفین کو مکمل شکست دی۔ صرف اسلام آباد کی ایک نشست جماعت اسلامی کے ہاتھ میں آگئی۔ محاذ نے اپنی فتح پر جشن منایا' اور دہلی و سرینگر میں سرکاری و نیم سرکاری اخبارات نے اپنی تحریروں میں شیخ عبداللہ کو ایک بار پھر ریاست کی مسلمہ اور معتبر آواز قرار دیا۔

الحاق کی تائید میں بیانات

اصل میں ۱۹۷۳ء میں شیخ اور بیگ نے دہلی اور جموں میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کی تائید میں بیانات جاری کرنے کا آغاز کیا تھا لیکن اس سے بھی پہلے دہلی میں مسٹرپارتھاسارتھی کے ساتھ ایک بات چیت کے بعد مرزا افضل بیگ نے یو۔این۔ آئی کو ایک انٹرویو کے دوران صاف صاف کہا تھا۔

" مسٹرپارتھا سارتھی کے ساتھ میری جو بات چیت ہوئی وہ اس مرکزی نقطے کے ارد گرد گھومتی رہی کہ ہند کے ساتھ کشمیر کا الحاق اٹوٹ اور حتمی ہے"۔

حق خودارادیت کی ۱۹ سالہ تحریک سے تائب ہو جانے کے باوصف دونوں کشمیری لیڈروں کا اب بھی یہ خیال تھا کہ ابھی وہ وقت نہیں آپہنچا ہے کہ وادی کے عوام کے سامنے کھل کر رائے شماری کی مذمت اورہندسےالحاق کی حمایت کی جائے۔ چنانچہ وادی میں پہنچنے پر وہ فورا" ان سب بیانات کی تردید کرتے رہے جو اس سے پہلے انہوں نے جموں یا دہلی میں دیئے تھے۔ جب ان سے سوال کیا جاتا تو وہ جھٹ وقائع نگاروں اور رپورٹروں اور ایڈیٹروں کو غلط رپورٹنگ کے لئے مطعون اور ذمہ دار قرار دیتے اور لوگوں کو ہدایت کی جاتی کہ اخبارات کی رپورٹنگ پر اعتبار نہ کیا جائے۔

۲۸ جولائی ۱۹۷۳ء کو مسٹرپارتھا سارتھی نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ایک ملاقات کی۔ لیکن اس ملاقات کو صحت و عافیت دریافت کرنے والی ملاقات قراردیا گیا۔ " ہندوستان ٹائمز" نے خبردی کہ ابھی تک بیگ پارتھا سارتھی مذاکرات مین کوئی فیصلہ کن مرحلہ نہیں آیا ہے ۲۹ جولائی کو شیخ عبد اللہ نے نئی دہلی میں وزیراعظم مسزگاندھی کے ساتھ سخت حفاظتی انتظامات میں ایک خفیہ ملاقات کی۔ امتناعی احکامات کی منسوخی

کے بعد یہ ان کی دوسری ملاقات تھی۔ جو ایک سال کے اندر اندر ہوئی۔ شیخ عبد اللہ دہلی اور بڑودہ کے دس روزہ دورے پر تھے کہ " ہندوستان ٹائمز" مورخہ ۲ اگست ۱۹۷۳ء نے ان کا ایک بیان شائع کیا کہ ریاست جموں وکشمیر بھارت کا اٹوٹ حصہ ہے۔ کشمیر میں اس بیان کی اشاعت سے شیخ عبد اللہ کے خلاف ناراضگی اور غصے کی ایک زبردست لہر پھیل گئی۔ ۸ اگست کو آپ اپنا دس روزہ دورہ ختم کرکے واپس سری نگر پہنچے۔ ان دنوں میں یہ بات عام ہو گئی کہ وزیراعظم مسز گاندھی شیخ عبد اللہ کو مرکز میں لے کر ان سے ہندوستانی مسلمانوں کو کانگریس کا ہمنوا بنانے کا کام لیں گی۔ اس رپورٹ کو اس وقت اور زیادہ تقویت مل گئی جب ۹ اگست ۱۹۷۳ء کو مجاہد منزل میں اپنی معزولی کا بیس سالہ پرانا ماتم منانے کے لئے ایک جلسہ عام میں انہوں نے یہ انکشاف کیا۔

" اس وقت میرا میدان کار صرف کشمیر ہی نہیں ہے' بلکہ پورا ہندو پاک ہے۔ میں وقتاً" فوقتاً" باہر جاتا رہوں گا۔ لیکن وہاں بھی کشمیریوں کو نہیں بھولوں گا۔ ہمیں اپنی ہی نہیں بلکہ سارے ہندوستان کی رہنمائی کرنی ہے۔ ہم ایک قابل قدر تصفیہ چاہتے ہیں' اور جلد بازی نقصان دہ ثابت ہو گی"

تقریر کے دوران آپ نے اخبار نویسوں کو بھی کوسا اور ان پر بدظنی پیدا کرنے کے الزامات لگائے۔

پاکستانی صحافی کا شیخ عبداللہ سے سوال

۲۲ اگست ۱۹۷۳ء کو نئی دہلی میں پریس کلب آف انڈیا نے شیخ محمد عبداللہ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا۔ حسن اتفاق سے اس دعوت میں ایک پاکستانی اخبار نویس بھی موجود تھا۔ اس موقعہ پر جب شیخ عبداللہ نے دعویٰ کیا کہ رائے شماری اور الیکشن ایک ہی چیزیں ہیں۔ تو پاکستانی اخبار نویس نے شیخ عبداللہ پر اور جرح کی۔ " شیخ صاحب! آپ کس طرح رائے شماری اور الیکشن کو ایک ہی درجہ دیتے ہیں۔ الیکشن کے ذریعے لوگوں کی مرضی دریافت کی جاتی ہے کہ ان پر کون سی جماعت حکومت کرے جبکہ رائے شماری اس سے بھی زیادہ ایک بنیادی چیز ہے"۔

پہلگام میں اندرا' شیخ ملاقات

۲۶ ستمبر ۱۹۷۳ء کو وزیراعظم سری نگر آئیں۔ ۲۸ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ذاتی قصر میں ان کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا' اور ۲۷ ستمبر کو دونوں لیڈروں نے پہلگام جا کر وہاں کی قدرتی حسن آشنائیوں میں کشمیر کے رموز و اسرار کا جائزہ لیا۔ ان کی بات چیت ۷۵ منٹ جاری رہی ۔ کشمیر میں اپنے قیام کے دوران مسز گاندھی کو کافی ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ مثلاً" ۲۸ ستمبر کو انہوں نے وزیراعلیٰ کی سرکاری قیام گاہ پر' پولیس اور سیکورٹی عملے کے سخت پہرے میں کانگریسی کارکنوں سے خطاب کیا۔ وزیراعظم نے پارٹی مضبوط بنانے پر زور دیا' اور شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ" مجھے خوشی ہے کہ کشمیر کے کچھ لوگ جو پہلے علیحدہ رہتے تھے' اب سارے ملک کے لئے دلچسپی لے رہے ہیں"۔

شیخ عبداللہ پر مادی احسانات

ان ہی دنوں میں ایک اخبار نے انکشاف کیا کہ شیخ عبداللہ کے داماد غلام محمد شاہ کو کابینہ میں لیا جائے گا۔ اور فرزند طارق عبداللہ کو لندن سے واپس بلا کر دوبارہ ہندوستانی شہریت دی جائے گی۔ اور پھر انہیں کسی اونچے عہدے سے بھی نوازا جائے گا۔ علاوہ ازیں شیخ عبد اللہ کا خاندان مادی مراعات کے احسانات سے زیر بار کیا جارہا تھا۔

دہلی کے ہفتہ وار " ہمت" میں اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شیخ عبداللہ نے اپنے ایک مقالے میں لکھا کہ :۔

" میں مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے رائے شماری پر اصرار نہیں کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کوئی اور راستہ بھی نکل سکتا ہے۔ میرے نمائندہ مرزا محمد افضل بیگ اور وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے نمائندہ مسٹر جی پارتھا سارتھی کے درمیان بات چیت جاری ہے۔ اگر ہندوستان ہمارے ساتھ تصفیہ کرنے کا خواہاں ہے' تو وہ ۱۹۵۳ء کی پوزیشن پر لوٹ آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ سال ہندوستان کے مسائل حل کرنے میں صرف کروں۔ کشمیر سے باہر بھی کئی مسائل ہیں۔ اگر ہندوستان پر کوئی آفت آگئی' تو کشمیر بھی سلامت نہیں رہے گا۔"

"بک آف نالیج" پر زنانہ کالج کی ایجی ٹیشن

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ جب کشمیر کے لوگ بیگ' پارتھاسارتھی مذاکرات کی کھچڑی کی تیاری سے واقف ہونے لگے۔ ان کا رد عمل سرخ انگاروں کی طرح ظاہر ہونے لگا۔ اسی اثناء میں سری نگر کی عید گاہ میں نماز عید کے موقعہ پر شیخ عبداللہ اور میر واعظ مولوی محمد فاروق کے حامیوں کے درمیان تصادم ہوا۔ جس نے شہر کے اندرونی علاقے بری طرح متاثر کر دیئے لیکن کشمیر کی باشعور اور جدوجہد پسند نسل کا اضطراب اور غیض و غضب وہ ایجی ٹیشن تھی جس کے روح رواں ہمارے حساس دل نوجوان طلبہ بنے ۲۱ مئی ۱۹۷۳ء کو ڈگری کالج اسلام آباد میں طلبہ نے ایک دھماکہ خیز کا انکشاف کیا۔ وہ ایک برطانوی مصنف کی ایک قدیم مشہور عالم تصنیف "بک آف نالج" چلڈرنز انسائیکلوپیڈیا" میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف لکھے گئے من گھڑت' شرانگیز اور ہتک آمیز بہتان کے خلاف مشتعل ہو گئے۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن پبلشنگ ہاؤس لندن نے ۱۸۸۸ء میں شائع کیا تھا۔ اور اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ کتاب کا ایک نسخہ مشن سکول اسلام آباد کی لائبریری میں تھا۔ اور ۱۹۵۰ء میں مشن سکول کے بند ہو جانے پر جو چند کتابیں تحفے کے طور پر ڈگری کالج اسلام آباد کو دی گئی تھیں' ان میں یہ فتنہ انگیز کتاب بھی تھی۔ اس انکشاف کے بعد جذبات کے شعلے بھڑک اٹھے اور طلبہ نے سوال کیا کہ کیا معاملہ ہے کہ ایک دل آزار اور فتنہ سامان تحریر ریاست جموں وکشمیر کے کسی کتب خانے میں موجود ہو۔ بہر کیف اسلام آباد سے شروع ہونے والی ایجی ٹیشن کی چنگاریاں آناً فاناً ساری وادی میں پھیل گئیں۔ اور وادی کے گوشے گوشے سے کتاب پر فی الفور پابندی عائد کرانے کی مانگ کی گئی۔ چنانچہ ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت نے ساری ریاست جموں وکشمیر اور سارے ہندوستان میں کتاب کی موجودگی کو غیر قانونی قرار دیا اور ملک بھر میں اس کی کاپیاں ضبط کرنے کے فوری احکامات جاری کر دیئے گئے۔

پولیس اور عوام میں تشدد

بک آف نالیج پر پابندی عائد کرانے کے لئے کشمیر میں جو مظاہرے شروع ہو گئے انہوں نے پولیس کے تشدد' گولیوں اور کئی افراد کی ہلاکتوں کی وجہ سے صورت

حال کو اور زیادہ بگاڑ دیا' اور ان مظاہروں' ہڑتالوں اور اسٹرائکوں کا سلسلہ ۲۱ مئی کے بعد بھی کئی روز تک مسلسل جاری رہا۔ حالانکہ حکومت نے دفعہ ۱۴۴ کے تحت جلسوں اور جلوسوں پر مکمل پابندی عائد کر رکھی تھی۔ ان مظاہروں' اسٹرائکوں اور ہڑتالوں میں مردوں اور عورتوں' سکولوں اور کالجوں کے طلباء' مختلف درس گاہوں اور درس گاہوں سے باہر نو عمر لڑکوں نے بھرپور حصہ لیا اور بنیادی مطالبے کے علاوہ ہلاک ہونے والے افراد کا ماتم بھی کیا۔ مظاہرین نے سری نگر میں بڈ شاہ ہوٹل کے سامنے کھڑی اوقاف بلڈنگ کی بالائی منزل میں واقع تاج ہوٹل' ایک بینک' پریس انفارمیشن' بیورو گورنمنٹ آف انڈیا اور کئی جیپوں اور گاڑیوں پر سنگ باری کی۔ پولیس اور مظاہرین کے درمیان تصادم میں کئی لوگ اور پولیس والے جن میں ڈی' ایس پی محمد سلطان بھی شامل تھے۔ زخمی ہوگئے پولیس کی گولیوں سے ایک سرکاری اطلاع کے مطابق دو نوجوان لیکن غیر سرکاری اطلاعات کے تحت ۴ افراد ہلاک ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص کو اپنی چھت سے گولی مار کر نیچے گرایا گیا اور وہ مرگیا۔ ہلاک ہونے والوں میں بھیرو گھاٹ مائیسمہ کا ایک ۲۳ سالہ خاکروب غفار شیخ اور دوسرا عبدالرشید گوجری ولد غفار گوجری تھا۔ کہتے ہیں کہ غفار شیخ اپنی ڈیوٹی پر جا رہا تھا۔ ۲۳ مئی کو سری نگر کی جامع مسجد کے باہر ایک مشتعل ہجوم نے مولوی محمد فاروق اور مرزا محمد افضل بیگ کے خلاف مظاہرے کئے۔ اور مولوی محمد فاروق کی کار کو نقصان پہنچایا گیا۔ لوگ عبدالرشید گوجری کی نعش کو جامع مسجد کے صحن میں دفن کرنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ "بک آف نالیج" پر پابندی لگ جانے کے بعد سری نگر میں مرزا محمد افضل بیگ اور مولوی محمد فاروق نے مظاہروں کو روکنے اور ہڑتالوں کو کھلوانے کی کوششیں کیں۔ لیکن لال چوک بھوری کدل اور نوہٹہ میں مرزا بیگ اور مولوی فاروق کی تقریروں میں ہوٹنگ کی گئی اور "ہندوستانی ایجنٹ واپس جاؤ" کے نعرے بلند کئے گئے۔ "ہمارا کوئی لیڈر نہیں ہے"۔ کے نعروں سے طلبہ نے سری نگر میں گونج پیدا کی۔ مرزا محمد افضل بیگ اور میر واعظ مولوی محمد فاروق کی طرف سے ہڑتال کھولنے کی اپیلوں کے باوجود عوام نے ہڑتال کامیاب بنائی۔

بیگ فاروق جلسہ:۔

۲۳ مئی کو جامع مسجد سرینگر میں شیخ محمد عبداللہ' مرزا محمد افضل بیگ اور مولوی

محمد فاروق نے ایک ہی اجتماع سے اپنی اپنی تقریروں کے ذریعے اصلی سازش کو ننگا کرنے کی مانگ کی۔ اس ایجی ٹیشن کے دوران کشمیر یونیورسٹی کے کیمپس میں بھی طلبہ و طالبات کے ایک جلسے میں اقوام عالم سے اپیل کی گئی کہ وہ "بک آف نالج" جیسی فتنہ انگیز کتاب کو تلف کرنے کے انتظامات کریں۔ اور طالب علم مظاہرین نے سونہ وار میں واقع اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کو ایک یادداشت پیش کی جس میں مانگ کی گئی کہ اقوام متحدہ کے ذریعے "بک آف نالج" کے دل آزار اور فتنہ سامان اوراق ساری دنیا میں تلف کر دیئے جائیں کئی روز کی اس ایجی ٹیشن کے دوران پولیس نے بہت سارے نوجوان اور طلبہ گرفتار کر دیئے۔

زنانہ کالج کے نام پر شورش

مرکز اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مجوزہ پیکٹ کی تیاریوں پر نئی پود کے سینے میں جولاوا پک رہا تھا۔ مولانا آزاد کالج سرینگر کے واقعات نے اس کو اور زیادہ ہولناک بنا دیا۔ یہ لاوا موسم خزاں میں پھٹ گیا' اس خبر کے ساتھ کہ حکومت نے مولانا آزاد روڈ پر واقع زنانہ کالج کا نام نہرو میموریل زنانہ کالج سے بدل دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس مبینہ فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے آس پاس کے کالج طلبہ نے زنانہ کالج پر ہلہ بول دیا' جہاں کالج کا نام بدلانے کے سلسلے میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا اور شیخ محمد عبداللہ تقریب کی صدارت کرنے کے لئے اپنے قصر سے نکل چکے تھے۔ طلبہ و طالبات کے مشترکہ احتجاج سے تقریب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پولیس نے طلبہ وطالبات پر بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ اس تشدد میں طلبہ اور طالبات کی ایک نامعلوم تعداد زخمی ہوئی اور بہت سارے زخمی صدر ہسپتال سری نگر میں داخل کر دیئے گئے۔ تصادم میں ایک طالبہ اپنی آنکھ سے محروم ہو گئی۔ مظاہرین کا مطالبہ یہ تھا کہ کالج کا اپنا قدیم نام برقرار رکھا جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مرکزی حکومت ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کے خلاف یکساں قسم کے نعرے بلند کرکے اپنے غصے کو ظاہر کر دیا۔ ۸ نومبر ۷۳ء کو یہ ایجی ٹیشن سوپور اور اسلام آباد تک پھیل گئی' بازار بند ہو گئے اور ٹریفک جام ہو گیا۔ اسلام آباد میں ایس پی اور پولیس کے کئی سپاہی بھی زخمی ہو گئے اور وزیر تعلیم کی کار پر مشتعل مظاہرین نے پتھراؤ کیا۔ یہاں بھی مظاہرین مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے

علاوہ کشمیری لیڈروں کے خلاف نعرے بلند کر رہے تھے۔ طلبہ کے مخالفانہ نعروں کا خصوصی نشانہ شیخ محمد عبداللہ بن گئے تھے۔

وزیراعظم پاکستان کا اعلان

ان دنوں وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو آزاد کشمیر کے چار روزہ دورے پر تھے۔ اور یہ بھید سب پر کھل چکا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ حق خودارادیت کی مانگ سے دست بردار ہو کر ہند کے ساتھ ایک ناقابل قبول اور بے قدر وقیمت سودا طے کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کو ساری صورتحال پر نظر تھی۔ خود وزیراعظم پاکستان کو پاکستان اور آزاد کشمیر دونوں جگہ کشمیر کے سوال پر دباؤ کا سامنا تھا۔چنانچہ وزیراعظم بھٹو نے آزاد کشمیر میں ایک سنسنی خیز اور سحر انگیز اعلان میں کہا کہ میں فی الحال کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے ایک طریقہ تجویز کرتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں تمام کشمیریوں اور پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسی جمعہ کو مکمل ہڑتال کریں' جس کا اعلان میں اس جمعہ سے دو روز پہلے کروں گا۔ آپ نے اپیل کی کہ اس جمعہ پر تمام دکانوں کو بند رہنا چاہیے۔ کوئی مدرسہ اور کالج بھی نہ کھلے اور لوگ گھروں سے باہر بھی نہ نکلیں۔ مجوزہ ہڑتال کے ذریعے دنیا کو بتا دیا جائے گا کہ کشمیری اپنی قسمت کس ملک کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ نے واضح کر دیا کہ مجوزہ ہڑتال امن' نظم اور ضبط سے ہو۔ اور کسی قسم کا جلسہ ہو نہ جلوس نکلے۔ پاکستان کے اس تازہ ترین اعلان نے کشمیری عوام کی شریانوں میں زندگی کا خون جاری کر دیا۔ اور حکومت ہند' ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کی پریشانیوں کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس لئے احتیاطی طور پر ریاستی حکام نے بہت سارے طلباء اور نوجوان نظر بند کر دیئے۔ دوسری طرف سے شیخ عبداللہ نے کھلم کھلا ہند کے ساتھ الحاق کے حق میں اپنی آواز اٹھائی۔ جموں میں پریس کلب سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:۔

" وزیراعظم پاکستان نے حال ہی میں جو بیانات دیئے ہیں' ان سے کشمیر کی موجودہ سیاسی صورتحال اور اس کے ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ کوئی بھی نعرہ خواہ وہ کسی بھی طرف سے بلند کیا جائے' ریاست جموں وکشمیر کی صورتحال کو تبدیل نہیں کرسکتا' یہ غلط ہے کہ میں نے کبھی ہند سے الگ ہونے کی مانگ کی تھی' ۵۳ء میں

جو کچھ ہوا۔ وہ غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جانا چاہیے۔ ۴۷ء میں ہم نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہمارا یہ فیصلہ کافی سوچ بچار کے بعد ہوا۔ میں وزیراعظم گاندھی کی مشکلات کو سمجھتا ہوں۔ ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے"۔

شہید گنج کا حادثہ

۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو شہید گنج سری نگر میں ایک دکان پر شیخ محمد عبداللہ اور پاکستان کے حامیوں کے درمیان سیاسی بحثا بحثی میں ایک پاکستان نواز اپنے مخالف کی مار پیٹ سے ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات روزنامہ " ازان" مورخہ ۱۳ نومبر نے اس طرح شائع کیں:۔

" کل (۱۱ نومبر) یہاں شہید گنج میں ادھیڑ عمر کے ایک شخص کو مبینہ طور پر قتل کرنے کے الزام میں پولیس نے ۹ افراد کو پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لے لیا۔ ہمارے رپورٹر کی اطلاع کے مطابق ایک درزی کی دکان کے سامنے سیاسی بحث کے دوران چند اشخاص کے درمیان معمولی جھگڑے نے خطرناک صورت اختیار کی۔ یہ بحث شیخ عبداللہ کی حالیہ تقریر پر ہوئی جو انہوں نے جموں میں پریس کلب کے سامنے کی تھی۔ تھوڑے ہی وقت میں چند آدمی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے۔ اس تصادم کے دوران ایک گروہ جس میں محاذ رائے شماری حلقہ شہید گنج کے عہدیدار بھی شامل تھے' سے ایک شخص نے اٹھ کر چالیس سالہ غلام قادر بٹ کی مار پیٹ کی اور لات مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ پھر وہ فوراً" دم توڑ بیٹھا..... اب بیشتر لوگ گھروں سے باہر نکل کر سڑکوں پر جمع ہو گئے۔ لیکن پولیس نے ان کو منتشر کرکے لاش پر قبضہ کر لیا۔ اس حادثہ کے بعد رات گئے تک شہر کے مختلف علاقوں میں کشیدگی جاری رہی۔ کئی لوگ خاص کر خواتین نے جلوس نکالے اور سیاسی نعرے بلند کئے۔ پولیس نے اس واردات کے سلسلہ میں جن افراد کو دھر لیا ان میں حلقہ محاذ رائے شماری کے ایک عہدہ دار کے علاوہ ایک ڈرائیور مسمی عبدالعزیز بھی شامل ہے۔ جس نے مبینہ طور پر مقتول کے پیٹ پر لات ماری"۔

انجینئرنگ کالج کا احتجاج

۱۲ نومبر کو سری نگر کے زنانہ کالج کے واقعات کے بعد شہر کے سرکاری

محمد فاروق نے ایک ہی اجتماع سے اپنی اپنی تقریروں کے ذریعے اصلی سازش کو ننگا کرنے کی مانگ کی۔ اس ایجی ٹیشن کے دوران کشمیر یونیورسٹی کے کیمپس میں بھی طلبہ و طالبات کے ایک جلسے میں اقوام عالم سے اپیل کی گئی کہ وہ "بک آف نالیج" جیسی فتنہ انگیز کتاب کو تلف کرنے کے انتظامات کریں۔ اور طالب علم مظاہرین نے سونہ وار میں واقع اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر کو ایک یادداشت پیش کی جس میں مانگ کی گئی کہ اقوام متحدہ کے ذریعے "بک آف نالیج" کے دل آزار اور فتنہ سامان اوراق ساری دنیا میں تلف کر دیئے جائیں کئی روز کی اس ایجی ٹیشن کے دوران پولیس نے بہت سارے نوجوان اور طلبہ گرفتار کر دیئے۔

زنانہ کالج کے نام پر شورش

مرکز اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان مجوزہ پیکٹ کی تیاریوں پر نئی پود کے سینے میں جولاوا پک رہا تھا۔ مولانا آزاد کالج سرینگر کے واقعات نے اس کو اور زیادہ ہولناک بنا دیا۔ یہ لاوا موسم خزاں میں پھٹ گیا' اس خبر کے ساتھ کہ حکومت نے مولانا آزاد روڈ پر واقع زنانہ کالج کا نام نہرو میموریل زنانہ کالج سے بدل دینے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس مبینہ فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے آس پاس کے کالج طلبہ نے زنانہ کالج پر ہلہ بول دیا' جہاں کالج کا نام بدلانے کے سلسلے میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تھا اور شیخ محمد عبداللہ تقریب کی صدارت کرنے کے لئے اپنے قصر سے نکل چکے تھے۔ طلبہ و طالبات کے مشترکہ احتجاج سے تقریب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ پولیس نے طلبہ وطالبات پر بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ اس تشدد میں طلبہ اور طالبات کی ایک نامعلوم تعداد زخمی ہوئی اور بہت سارے زخمی صدر ہسپتال سری نگر میں داخل کر دیئے گئے۔ تصادم میں ایک طالبہ اپنی آنکھ سے محروم ہو گئی۔ مظاہرین کا مطالبہ یہ تھا کہ کالج کا اپنا قدیم نام برقرار رکھا جائے۔ اس کے علاوہ انہوں نے مرکزی حکومت ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کے خلاف یکساں قسم کے نعرے بلند کرکے اپنے غصے کو ظاہر کر دیا۔ ۸ نومبر ۷۳ء کو یہ ایجی ٹیشن سوپور اور اسلام آباد تک پھیل گئی' بازار بند ہو گئے اور ٹریفک جام ہو گیا۔ اسلام آباد میں ایس پی اور پولیس کے کئی سپاہی بھی زخمی ہو گئے اور وزیر تعلیم کی کار پر مشتعل مظاہرین نے پتھراؤ کیا۔ یہاں بھی مظاہرین مرکزی اور ریاستی سرکاروں کے

علاوہ کشمیری لیڈروں کے خلاف نعرے بلند کر رہے تھے۔ طلبہ کے مخالفانہ نعروں کا خصوصی نشانہ شیخ محمد عبداللہ بن گئے تھے۔

وزیراعظم پاکستان کا اعلان

ان دنوں وزیراعظم پاکستان مسٹر ذوالفقار علی بھٹو آزاد کشمیر کے چار روزہ دورے پر تھے۔ اور یہ بھید سب پر کھل چکا تھا کہ شیخ محمد عبداللہ حق خودارادیت کی مانگ سے دست بردار ہو کر ہند کے ساتھ ایک ناقابل قبول اور بے قدر وقیمت سودا طے کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ پاکستان کو ساری صورتحال پر نظر تھی۔ خود وزیراعظم پاکستان کو پاکستان اور آزاد کشمیر دونوں جگہ کشمیر کے سوال پر دباؤ کا سامنا تھا۔چنانچہ وزیراعظم بھٹو نے آزاد کشمیر میں ایک سنسنی خیز اور سحر انگیز اعلان میں کہا کہ میں فی الحال کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لئے ایک طریقہ تجویز کرتا ہوں۔

وہ یہ ہے کہ میں تمام کشمیریوں اور پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسی جمعہ کو مکمل ہڑتال کریں' جس کا اعلان میں اس جمعہ سے دو روز پہلے کروں گا۔ آپ نے اپیل کی کہ اس جمعہ پر تمام دکانوں کو بند رہنا چاہیے۔ کوئی مدرسہ اور کالج بھی نہ کھلے اور لوگ گھروں سے باہر بھی نہ نکلیں۔ مجوزہ ہڑتال کے ذریعے دنیا کو بتا دیا جائے گا کہ کشمیری اپنی قسمت کس ملک کے ساتھ وابستہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ نے واضح کر دیا کہ مجوزہ ہڑتال امن' نظم اور ضبط سے ہو۔ اور کسی قسم کا جلسہ ہو نہ جلوس نکلے۔ پاکستان کے اس تازہ ترین اعلان نے کشمیری عوام کی شریانوں میں زندگی کا خون جاری کر دیا۔ اور حکومت ہند' ریاستی حکومت اور شیخ محمد عبداللہ کی پریشانیوں کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ اس لئے احتیاطی طور پر ریاستی حکام نے بہت سارے طلباء اور نوجوان نظر بند کر دیئے۔ دوسری طرف سے شیخ عبداللہ نے کھلم کھلا ہند کے ساتھ الحاق کے حق میں اپنی آواز اٹھائی۔ جموں میں پریس کلب سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:۔

" وزیراعظم پاکستان نے حال ہی میں جو بیانات دیئے ہیں' ان سے کشمیر کی موجودہ سیاسی صورتحال اور اس کے ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ کوئی بھی نعرہ خواہ وہ کسی بھی طرف سے بلند کیا جائے' ریاست جموں وکشمیر کی صورتحال کو تبدیل نہیں کرسکتا' یہ غلط ہے کہ میں نے کبھی ہند سے الگ ہونے کی مانگ کی تھی' ۵۳ء میں

جو کچھ ہوا۔ وہ غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جانا چاہیے۔ ۴۷ء میں ہم نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہمارا یہ فیصلہ کافی سوچ بچار کے بعد ہوا۔ میں وزیراعظم گاندھی کی مشکلات کو سمجھتا ہوں۔ ان مشکلات پر قابو پایا جا سکتا ہے"۔

شہید گنج کا حادثہ

۱۱ نومبر ۱۹۷۳ء کو شہید گنج سری نگر میں ایک دکان پر شیخ محمد عبداللہ اور پاکستان کے حامیوں کے درمیان سیاسی بحثا بحثی میں ایک پاکستان نواز اپنے مخالف کی مار پیٹ سے ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات روزنامہ " اذان" مورخہ ۱۳ نومبر نے اس طرح شائع کیں:۔

" کل (۱۱ نومبر) یہاں شہید گنج میں ادھیڑ عمر کے ایک شخص کو مبینہ طور پر قتل کرنے کے الزام میں پولیس نے ۹ افراد کو پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لے لیا۔ ہمارے رپورٹر کی اطلاع کے مطابق ایک درزی کی دکان کے سامنے سیاسی بحث کے دوران چند اشخاص کے درمیان معمولی جھگڑے نے خطرناک صورت اختیار کی۔ یہ بحث شیخ عبداللہ کی حالیہ تقریر پر ہوئی جو انہوں نے جموں میں پریس کلب کے سامنے کی تھی۔ تھوڑے ہی وقت میں چند آدمی ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو گئے۔ اس تصادم کے دوران ایک گروہ جس میں محاذ رائے شماری حلقہ شہید گنج کے عہدیدار بھی شامل تھے' سے ایک شخص نے اٹھ کر چالیس سالہ غلام قادر بٹ کی مار پیٹ کی اور لات مار کر اسے بے ہوش کر دیا۔ پھر وہ فورا" دم توڑ بیٹھا..... اب بیشتر لوگ گھروں سے باہر نکل کر سڑکوں پر جمع ہو گئے۔ لیکن پولیس نے ان کو منتشر کرکے لاش پر قبضہ کر لیا۔ اس حادثہ کے بعد رات گئے تک شہر کے مختلف علاقوں میں کشیدگی جاری رہی۔ کئی لوگ خاص کر خواتین نے جلوس نکالے اور سیاسی نعرے بلند کئے۔ پولیس نے اس واردات کے سلسلہ میں جن افراد کو دھر لیا ان میں حلقہ محاذ رائے شماری کے ایک عہدہ دار کے علاوہ ایک ڈرائیور مسمی عبدالعزیز بھی شامل ہے۔ جس نے مبینہ طور پر مقتول کے پیٹ پر لات ماری"۔

انجینئرنگ کالج کا احتجاج

۱۲ نومبر کو سری نگر کے زنانہ کالج کے واقعات کے بعد شہر کے سرکاری

مدرسے اور انجینئرنگ کالج دوبارہ کھل گئے۔ تو طلبہ اور نوجوانوں نے تشدد آمیز مظاہرے کئے اور پولیس نے ان کو منتشر کرنے کے لئے اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ یہ صورتحال صبح گیارہ بجے سے رات گئے تک جاری رہی۔ ریذیڈنسی روڈ' ایکسچینج روڈ' بڈ شاہ چوک' لال چوک اور گاؤ کدل میں پولیس اور طلبہ کے درمیان جھڑپیں جاری رہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب انجنیئرنگ کالج کے طلبہ کالج کی بسوں میں سوار ہو کر لال چوک اور ریذیڈنسی روڈ پر اترے۔ ان طلبہ نے پاکستان کے حق میں نعرے بلند کئے' ایک راہ چلتی فوجی گاڑی پر پتھراؤ کیا' مرکزی حکومت کے پریس انفارمیشن بیورو کے کمروں سے سامان نکال کر باہر سڑک پر پھینک دیا' اور چند ایک سرکاری عمارتوں پر پتھراؤ کیا۔ جھڑپوں میں دونوں طرف کے افراد زخمی ہوگئے اور بھی کئی طلبہ حراست میں لئے گئے۔ جب کہ مظاہرین کا مطالبہ یہ تھا کہ گزشتہ چند روز کے دوران جو طلبہ گرفتار کرلئے گئے ہیں ان کو رہا کردیا جائے۔ اس کے بعد سری نگر کی میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی گئی۔ اور انجنیئرنگ کالج کو پھر سے بند کر دیا گیا۔ لیکن طلباء کی ایجی ٹیشن نے سوپور' اسلام آباد اور بارہ مولہ کے اہم قصبوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔اس پر حکومت نے تینوں ضلعوں کے طلبہ گرفتار کئے۔ اور جلسوں اور جلوسوں پر پابندیاں عائد کیں۔

جموں کا جوابی حملہ

کشمیر کی سٹوڈنٹ ایجی ٹیشن نے جموں کے بعض عناصر کو بے چین کیا چنانچہ جموں کے طلبہ نے کشمیر کی سٹوڈنٹ ایجی ٹیشن کے خلاف جوابی مظاہرے کئے اور ان مظاہروں میں پاکستان کے خلاف نعرے بلند کئے گئے۔ جموں میں طلبہ نے مولانا آزاد کالج جموں کا بورڈ احتجاج کے طور پر نیچے اتار دیا۔ اور مرحوم مولانا آزاد کے نام پر اپنا نزلہ اتارا۔ حالانکہ مرحوم آزاد نے عمر بھر متحدہ قومیت کی بنیاد پر ہندوستان کی جنگ آزادی لڑی اور پہلی صف میں انڈین نیشنل کانگریس کی رہنمائی کی۔ وہ کشمیری بھی نہ تھے۔ لیکن اندھے فرقہ پرستوں کی نظر میں ان کا جرم صرف اسلام تھا۔

عبداللہ کی یورش

مئی میں "بک آف نالیج" ایجی ٹیشن سے لے کر زنانہ کالج امیراکدل کی ایجی ٹیشن تک کشمیر میں جتنے سیاسی واقعات رونما ہوئے ان سب نے وادی کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف نفرت اوربےزاری کا عام ماحول پیدا کر دیا۔ اور کشمیر میں مختلف سٹوڈنٹ تنظیموں نے شیخ کی تازہ ترین روش کے خلاف اعلان بغاوت کیا۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم کشمیری طلبہ نے شیخ عبداللہ کے خلاف بیانات جاری کئے اور ان کی قیادت پر عدم اعتماد کا اظہار کردیا۔شیخ نے قوم کی باغیانہ روش دیکھی' تو وہ درگاہ حضرت بل کے منبر پر چڑھے اور اعلان کر دیا کہ" میں کشمیریوں کے حق خودارادیت پر کوئی بھی سودا بازی نہیں کروں گا"لیکن چند روز بعد جموں اورپٹنہ کی تقریروں میں انہوں نے پھر سے کشمیر کو ہندوستان کا جزو لاینفک قرار دیا۔

جب دہلی کے کانگریسی حکمرانوں نے دیکھ لیا کہ کشمیر میں حق خود ارادیت کی تحریک زور پکڑ رہی ہے' اور شیخ عبداللہ کی مدد حاصل کرنے کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں کو کانگریس کے ہم رنگ زمین جال میں پھنسانے کی تمام تر کوششیں بے اثر ثابت ہو رہی ہیں' تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ شیخ عبداللہ کو کشمیر کے اندر ہی حصول حق خود ارادیت کی تحریک کا توڑ کرنے کے لئے کچھ وقت دیا جائے۔ پریس ایشیا انٹرنیشنل نے اپنے ایک ہفتہ وار فیچر میں لکھا:۔

" یہ بات محسوس کی گئی ہے کہ ابھی کچھ اور وقت تک شیخ عبداللہ کو صوبے کے اندر رہ کر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ پہلے یہ خیال تھا کہ ہند اور پاکستان کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنے کے لئے شیخ عبداللہ کے اثرورسوخ کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن پاکستان کے موجودہ رویہ کے پیش نظر یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ شیخ عبداللہ' ہند اور پاکستان کے مابین تعلقات استوار کروانے کی کوششوں میں مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اور اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں کشمیر میں پاکستان کے چیلنج کا سامنا کرنے کے لئے پوری طرح تیار کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی متعدد سیاستدانوں خاص کر مسلم سیاست دانوں نے ہند کی مسلم سیاسیات میں شیخ عبداللہ کی شمولیت کے امکانات پر جو متضاد رد عمل ظاہر کیا ہے' اس سے ملک میں شیخ عبداللہ کی سرگرمیوں پر

کافی اثر پڑا ہے۔ برسراقتدار پارٹی کے کچھ مسلم لیڈروں نے بھی ذاتی طور پر یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ شیخ عبداللہ مسلم سیاست میں کوئی اہم رول ادا نہیں کر سکیں گے۔"

اس صورت حال کو دیکھ کر شیخ عبد اللہ حق خود ارادیت کی آواز کے خلاف اپنی مہم چلانے کے لئے کشمیر کے محاذ پر واپس آ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے فوراً" ہی نوجوانوں اور طلبہ پر اپنی شعلہ مزاج یلغار کر دی۔ ۲ دسمبر۷۳ء کو انہوں نے مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کے ورکروں سے خطاب کیا اور آزادی کشمیر کا مطالبہ غیر حقیقی اور ناقابل عمل قرار دیا۔ وزیراعظم پاکستان کی تجویز کردہ ہڑتال پر نکتہ چینی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ گذشتہ ۲۵ برس میں پاکستانی لیڈروں نے آزاد کشمیر کے لئے کیا کچھ کیا کہ اب وہ اس کشمیر کے لئے کچھ کر سکیں گے۔ شیخ عبداللہ نے مولوی محمد فاروق' جماعت اسلامی کشمیر اور بخشی غلام محمد کے حامیوں کو خوب کوسا اور کہا کہ آزادی کا نعرہ دینا ایک خطرناک غار میں گرنے کے برابر ہے۔ مرکز کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا کہ اس بات چیت کی بنیاد ۱۹۴۷ء ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات میں نے وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو بھی بتائی ہے۔ زنانہ کالج امیراکدل سری نگر کو نئے سرے سے موسوم کرنے کی تجویز پر طلبہ کی ایجی ٹیشن اور انجینئرنگ کالج کی حدود سے طلبہ کا لال چوک پہنچ کر مظاہرہ کرنے کی حرکتوں پر پولیس کو کوستے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر پولیس اس گڑبڑ کو ناپسند کرتی تو وہ پہلے ہی انجینئرنگ کالج میں سی' آئی ڈی کو تعینات کر دیتی' اور جوں ہی طلبہ بسوں میں سوار ہو کر لال چوک کی طرف رخ کرتے تو پولیس راستے میں ہی ان کو لال چوک کے بجائے خواجہ یار بل (سنٹرل جیل) پہنچا سکتی"۔

۶ دسمبر۷۳ء کو شیخ عبداللہ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ اور اسلام آباد چوک میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔ انہوں نے زنانہ کالج امیراکدل کو از سر نو موسوم کرنے کی تجویز کے خلاف پیدا شدہ ایجی ٹیشن کا ذکر کرتے ہوئے الزام لگایا کہ فساد کرنے والے طلباء منسٹروں اور پولیس کے ایجنٹ ہیں۔ شیخ عبد اللہ نے جماعت اسلامی کشمیر پر بھی زبردست حملے کئے۔ ۹ دسمبر۷۳ء کو شیخ محمد عبداللہ سوپور چلے گئے سوپور میں ان کی آمد پر مقامی طلباء اور نوجوانوں نے زبردست مظاہرے کئے۔ ان مظاہروں سے پہلے اور ان کے دوران پولیس نے کئی طلباء بھی گرفتار کر لئے۔ مظاہروں کے دوران بازار جزوی طور پر بند ہو گیا۔ بڑے بازار میں صرف چند ایک دکان کھلے

نظر آئے۔ محاذ رائے شماری کی طرف سے آراستہ کئے گئے ماٹوز اور ڈیوڑھیاں پھاڑ ڈالی گئیں۔ بڑے پل کو پار کرنے کے بعد شیخ عبد اللہ کے حفاظتی گارڈ اور طلبہ میں جھڑپ ہوئی' اور ان کے خلاف نعرے بلند ہوئے لاؤڈ اسپیکر والی جیپ کے شیشے سنگ باری سے ٹوٹ گئے۔ سی' آر' پی نے طلبہ کو منتشر کر دیا اور بعد میں سینٹرل ریزرو پولیس اور کشمیر پولیس کے کڑے پہرے میں شیخ محمد عبداللہ نے سول اڈے میں تقریر کی' انہوں نے طالب علموں کو متنبہ کیا کہ اگر مظاہرہ کرنے والے یہاں سے نہ بھاگے تو میں ان کو پل سے پھینک کر جہلم کے ذریعے پاکستان بھیجوں گا۔ شیخ عبداللہ نے جماعت اسلامی کشمیر اور میرواعظ مولانا محمد یوسف شاہ مرحوم پر سخت تنقید کی۔ شیخ عبد اللہ نے کولگام کا دورہ بھی کیا اور وہاں بھی آپ کی تقریر کا لب و لہجہ شعلہ سامان ہی رہا' اور پانپور کے دورے سے پہلے ہی وہاں کے چند نوجوانوں کو پولیس تھانوں میں بند کر دیا گیا۔

وادی کا دورہ مکمل کر لینے کے بعد شیخ عبداللہ جموں کے سہ روزہ دورے پر روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر یو' این' آئی کے ساتھ سری نگر میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے مرکز کے ساتھ اپنے مذاکرات امید افزا قرار دیئے لیکن آپ نے یہ بھی کہا کہ بات چیت کی رفتار سست ہے۔ کٹھوعہ پہنچنے پر قاسم وزارت کے وزیر مال وجنگلات خواجہ مبارک شاہ اور کانگریس کے صوبائی جنرل سیکرٹری منگت رام نے شیخ عبداللہ کا خیر مقدم کیا۔ خیر مقدم کرنے والوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"پاکستانی مقبوضہ کشمیر ہند کا ایک حصہ ہے' اور ہمیں اسے بھی آزاد کرنا ہے ہندوستان میرا وطن ہے اور میں ہندوستان اور کشمیر کے درمیان دستاویز الحاق پر دستخط کرنے والوں میں سے ہوں"۔

کٹھوعہ' سانبہ اور اودھم پور میں شیخ عبداللہ نے اور باتوں کے علاوہ کہا کہ " ہند کے ساتھ ہماری نظریاتی ہم آہنگی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہمارا الحاق ان ہی بنیادوں پر قائم ہے۔

اقتدار کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبد اللہ نے کہا:

"میں اس بات کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے ریاست کا پرائم منسٹر بننے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں نہ مرکز میں کوئی منسٹری اور نہ کوئی دوسرا سرکاری عہدہ لینے کا خواہش مند ہوں"۔

ترال میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

"میں نے مرکزی حکومت پر صاف طور پر واضح کیا ہے کہ ۵۳ء کے بعد جو قوانین ریاست پر نافذ کئے گئے ہیں۔ ان سب کو کالعدم کیا جانا ہو گا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بات چیت ہو گی' اور بات چیت کے دوران ہندوستان کو یہ ضمانت دینا ہو گی کہ آئندہ اس قسم کی کوئی کوشش نہیں ہوگی۔"

آپ نے جماعت اسلامی کشمیر اور مولانا محمد یوسف شاہ پر بھی کڑی نکتہ چینی کی ۔ مرزا محمد افضل بیگ نے اپنی تقریر میں اس عجیب انکشاف کا اضافہ بھی کیا کہ " کشمیر کے متعلق ہند نے اپنا موقف تو بدل دیا ہے جب کہ محاذ اپنے موقف پر قائم ہے ۔ اب جب کہ کشمیر میں نیا باب کھولا گیا ہے۔ انٹرو گیشن سینٹروں کے دروازے کھلے رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے"۔

۳ اپریل ۱۹۷۴ء کو مجاہد منزل سرینگر میں محاذ کے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

"میں نے ہندوستان کے ساتھ اپنا رشتہ سوچ سمجھ کر جوڑا ہے نہ کہ جذبات میں آ کر۔ لیکن ہم دونوں پر کچھ پابندیاں عائد ہیں۔ جنہیں ہم کو پورا کرنا ہے۔ میں ہند کے ساتھ کئے گئے اپنے وعدوں پر قائم ہوں۔ ہند کی وزیراعظم سے میں نے کہا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی بنیاد پر اندرونی خود مختاری کا جو نقشہ بنتا ہے وہ ۳۷۰ کی شکل میں آئین میں درج ہے۔ اگرچہ مجھے پوری امید ہے کہ وزیراعظم ضرور کچھ نہ کچھ کریں گی۔ لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا ہے۔ ہندوستان کے ساتھ جب کوئی سمجھوتہ ہو گا تو وہ لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا اور فیصلہ بھی لوگوں کو ہی کرنا ہے"۔

۱۹۷۳ء کی سٹوڈنٹ انتھل پتھل نے نہ صرف محاذ کو اپنی اوقات یاد دلائی بلکہ بھارت کے کئی دانشوروں کو بھی یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ شیخ کی زندگی میں ہی کشمیر کے سوال پر ان کے ساتھ کسی معاہدے پر پہنچ جانا از بس ضروری ہے۔ مشہور کالم نویس کلدیپ نیئر نے بڑی بے قراری کے ساتھ روز نامہ انڈین ایکسپریس نئی دہلی میں یہ رائے ظاہر کی:۔

پہلے سری نگر اور بعد میں بارہ مولہ کے مظاہروں کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ بے ہمت ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے پیرو کاروں نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ باہر آ کر

مقابلہ کریں..... وقت تیزی کے ساتھ حرکت کر رہا ہے شیخ عبداللہ پر بوڑھاپا چھا چکا ہے' اور ان کا اثر کم ہو رہا ہے ..... ایک ایسی نسل بلوغت کو پہنچ چکی ہے جس کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ کے وہ تعلقات نہیں ہیں۔ ریاست میں ایک ایسا پاکستان نواز گروہ موجود ہے۔ جو ہندوستان کے ساتھ ہرگز مصالحت نہیں کرے گا' اور انتشار پیدا کرنے کا عمل جاری رکھے گا ایسا نظر آرہا ہے کہ نئی دہلی نے شیخ عبداللہ کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے لئے کم و بیش ارادہ کر لیا ہے۔ اور وہ مناسب وقت کے انتظار میں ہے۔ حال میں ہی جب کچھ لوگ شیخ عبداللہ کی بعض ابتدائی تقریروں سے ناخوش تھے' تو مسز گاندھی نے انہیں جوابا" کہا:" تم شیخ صاحب کو میرے ذمے چھوڑ دو"۔

۱۹۷۴ء میں بیگ پارتھا سارتھی مذاکرات کبھی اہم' کبھی مضحکہ خیز اور کبھی ڈرامائی بن گئے۔ سال بھر کے مذاکرات کے بارے میں طرفین کے تاثرات متضاد رہے۔ کبھی کہا جاتا کہ بات چیت ناکام ہو گئی کبھی اسے کامیاب قرار دیا جاتا رہا۔ اور کبھی اسے تعطل کا شکار قرار دیا جاتا' اور کبھی اس بات چیت کے مستقبل کے بارے میں مایوسی پیدا کرنے والے سوانگ رچائے جاتے۔

۱۰ اپریل کو چشمہ شاہی گیسٹ ہاؤس میں شیخ محمد عبداللہ اور مرکزی وزیر منصوبہ بندی مسٹر ڈی' پی در کے درمیان صبح نو بجے سے دن کے دو بجے تک ایک خفیہ میٹنگ ہوئی' اور شیخ عبد اللہ کو ایک بند کار میں یہاں پہنچایا گیا۔ اس دوران نہرو گیسٹ ہاؤس میں انتظامات کے لئے حکومت کشمیر کے چیف سیکرٹری مقرر کئے گئے تھے۔

ان دنوں مذاکرات میں کچھ سست روی محسوس کی جاتی رہی۔ جس کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ' مرزا محمد افضل بیگ اور محاذ کے خاص و عام پریشان ہو گئے۔ یہ نفسیاتی کیفیت وزیراعظم مسز گاندھی کی نوٹس میں لائی گئی چنانچہ انہوں نے مذاکرات میں تیز روی اور حوصلہ افزائی کا ایک نفسیاتی تاثر پیدا کرنے کے لئے چند نئے اقدامات کئے۔ مسز اندرا گاندھی کے حکم سے پارتھا سارتھی پیرس سے واپس طلب کئے گئے' اور ۲ جولائی ۷۴ء کو شیخ عبد اللہ سے ملنے کے لئے سری نگر روانہ کئے گئے۔ سری نگر پہنچنے کے بعد پارتھاسارتھی نے شیخ اور بیگ کے ساتھ آئین کی دفعہ ۳۷۰ اور دہلی اگریمنٹ ۱۹۵۱ء پر الگ الگ بات چیت کی۔ دوسرے روز مجاہد منزل میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے کہا:

"نئی دہلی کے ساتھ ہماری بات چیت میں بڑی حد تک پیش رفت ہوئی ہے۔ اگرچہ ابھی تک کوئی ٹھوس حل یا فارمولا نہیں ابھرا ہے اور سیاسی سوالات شیخ صاحب نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ ۵۳ء کے بعد جو قوانین کشمیر پر لاگو کر دیئے گئے ہیں۔ ہم ان کا جائزہ لے رہے ہیں کہ ان میں سے کون سے قابل قبول ہیں اور کون ناقابل قبول ہو گا"۔

محاذ کا نام تبدیل کرنے کے سوال کے بارے میں مرزا افضل بیگ نے کہا کہ اس قسم کی کوئی تجویز زیر غور نہیں ہے۔

سری نگر میں طویل مذاکرات کے بعد مسٹر بیگ نئی دہلی چلے گئے اور اخبارات نے بتایا کہ دونوں فریق سمجھوتہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔

محاذ کا سالانہ کنونشن

برطانیہ کے آزاد کشمیریوں کی آمد

۲ جولائی ۷۴ء کو ایک طیارہ کے ذریعے برطانیہ میں بسنے والے چند آزاد کشمیری افراد کا ایک قافلہ' محاذ کے سالانہ کنونشن میں شرکت کرنے کے لئے سری نگر پہنچ گیا۔ اس وفد کی رہنمائی ڈاکٹر فاروق عبداللہ کر رہے تھے۔ مرزا محمد افضل بیگ نے مہمانوں کو ہوائی اڈے سے سیدھا مجاہد منزل پہنچایا' جہاں شیخ محمد عبداللہ ان سے بغل گیر ہوگئے۔ مجاہد منزل میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ان مہمانوں نے کہا کہ کشمیر' کشمیریوں کا ہے اور اس کا فیصلہ نہ اندرا نہ بھٹو' نہ پاکستان اور نہ ہندوستان کر سکتے ہیں"۔ اس موقعہ پر فاروق عبداللہ نے کہا کہ میں آزاد کشمیر کے عوام کی طرف سے ایک تحفہ آپ کی خدمت میں لے کر آیا ہوں:

"چون دیش' میون دیش' سون دیش' کو شر دیش

ترجمہ: تمہارا وطن' میرا وطن اور ہمارا وطن کشمیر ہے

کہتے ہیں کہ یہ نعرہ این' ایل' ایف کے ایک لیڈر نے دیا تھا۔ این' ایل ایف ایک خود مختار کشمیر کے قیام پر اصرار کرتا ہے' اور آج کل برطانیہ میں اس کا سیاسی بازو "محاذ آزادی" کے نام سے موسوم ہے۔ پہلے یہ لوگ آزاد کشمیر اور برطانیہ دونوں جگہ محاذ رائے شماری کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ حیرت ہے کہ برطانیہ کے وہ آزاد کشمیری افراد' جو جموں وکشمیر کی خود مختار مملکت قائم کرنے کے تصور کے علمبردار ہیں' ایک ایسی لیڈر شپ کی دعوت پر مہمان بن کر کشمیر آئے' جو خود مختاری اور آزادی کا تصور بیچ چکی تھی۔ اور ہندوستان کی سرداری کے سائے میں اور اسی کے چوکھٹے میں رہ کر چند بے قیمت مراعات پر قناعت کرنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کہ خود مختار کشمیر کے قیام کی آرزو رکھنے والوں نے شیخ محمد عبداللہ یا ان کے قانونی مشاورت کار سے کبھی یہ دریافت بھی کیا کہ اگر کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ تو مسٹر گاندھی کے ساتھ آئین ہند کے دائرے میں ان کی بات چیت کیا معنی رکھتی ہے کیا کشمیر ہندوستان کا کوئی داخلی اور دستوری تنازعہ ہے یا آزادی اور مستقبل کے تعین کا

سوال ؟ نہ معلوم خود مختار کشمیر کے برطانوی حامیوں کو اتنی کیا بے قراری تھی کہ وہ بھارت سے اٹانومی کی اونی سی بھیک مانگنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے کشمیر آگئے' اور اس سارے معاملے کا غور طلب پہلو یہ ہے کہ حکومت ہند نے پہلی بار کچھ ایسے لوگوں کو فاروق عبداللہ کے ساتھ سرینگر آنے کی اجازت دی' جن کے بارے میں یہ یقین تھا کہ وہ برطانیہ کی ایک ایسی کشمیری تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کشمیر کی ایک خود مختار مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

محاذ کا کنونشن

۵ جولائی ۷۴ء کو مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کا سہ روزہ کنونشن شروع ہو گیا۔ اس روز دریائے جہلم سے محاذ کا ایک دریائی جلوس بھی گذرا' جس کے نعرے یہ تھے:

کشمیر کا فیصلہ کون کرے گا؟ ---- شیر کرے گا' شیر کرے گا
چون دیش' میون دیش ----- کوشر دیش' زندہ باد
جس کشمیر کو خون سے سینچا ----- وہ کشمیر ہمارا ہے
شیر کشمیر ہمارا ہے

کنونشن کی کارروائی صدر مرزا محمد افضل بیگ کے خطبہ صدارت سے شروع ہوئی۔ آپ نے خطبہ صدارت میں علی الاعلان رائے شماری کے مطالبے سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ نئی دہلی کے ساتھ اپنے مذاکرات کا ذکر کرتے ہوئے خطبے میں کہا گیا کہ

" مرکز کے ساتھ بات چیت کے نتائج لوگوں کے سامنے رکھ کر ان کی تائید حاصل کی جائے گی۔ اس بات چیت میں ابتداء سے ہی فریقین کے ذہن میں یہ بات صاف تھی کہ اس مسئلہ کا ایک ایسا حل تلاش کیا جائے۔ جس کی تائید عوام کی اکثریت کرے۔ یہ بات درست ہے کہ وزیراعظم کی خواہش یہ ہے کہ کوئی قابل قبول حل نظر آئے۔ بلاشبہ انہیں کچھ دقتیں پیش آئیں گی' لیکن شیخ صاحب کی مشکلات بھی کچھ کم نہیں۔ اس لئے حل تلاش کرنے کے دوران ریاستی عوام کی طرف توازن رہے' تو انصاف اور انسانیت کے اصولوں کی قدردانی ہو گی۔ علاوہ اس کے ہر ایک مرحلے پر پاکستان کی رائے معلوم کرنا بھی لازمی ہے' تاکہ کوئی بھی تنازعہ اور اختلاف

باقی نہ رہے' رائے شماری ایک ذریعہ ہے' میری رائے میں پیش آمدہ حالات کو سامنے رکھ کر ایک ہی طریق کار پر بہ ضد رہنا ٹھیک نہیں' لوگوں کی رائے کسی اور منصفانہ طریقے سے بھی دریافت کی جا سکتی ہے ..... آزاد کشمیر ہماری ریاست کا ایک جزو لاینفک ہے' اس لئے ریاست کو سیاسی مصلحتوں کے تحت تقسیم کرنا مذموم ہے ..... پندرہ لاکھ بھائیوں کو بھی اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جانا چاہیے"۔

مسٹر بیگ نے اپنے خطبہ صدارت میں دوسرے جلا وطن کشمیری لیڈروں کی طرح مولانا محمد یوسف شاہ کو بھی آزادی کا مجاہد قرار دیا۔

اس روز اسلامیہ کالج سری نگر کے طلباء نے محاذ رائے شماری کے خلاف نعرے بازی کرتے ہوئے ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ ان طلباء نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کا واحد طریقہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں ایک آزاد اور بے ریا رائے شماری ہے۔ پولیس نے ان پر لاٹھی چارج کیا' اور ان کو زخمی کیا۔

میرپوریوں کی خود فریبی

رائے شماری کے نعرے سے علی الاعلان دست بردار ہونے کے باوصف اب بھی پارٹی کے قائدین نے پارٹی کا نام تبدیل نہیں کیا' انہوں نے آنے والے اندرا' عبداللہ معاہدے کے وجود میں آنے تک اس مقبول عام نام سے حاصل ہونے والے فوائد سے خود کو محروم کر دینا' ڈپلومیسی کے خلاف تصور کیا۔ ۷ جولائی کو لال چوک میں محاذ کی طرف سے ایک عوامی جلسہ ہوا۔ شیخ محمد عبداللہ' مرزا محمد افضل بیگ اور برطانیہ میں رہنے والے میرپوری حضرات نے جلسے سے خطابات کئے۔ شیخ نے کہا:۔

" انٹروگیشن کیمپوں اور قید خانوں میں بیٹھ کر کشمیر کے مسئلہ کا حل دریافت نہیں ہو سکا ہے۔ وزیراعظم کے ساتھ ہماری بات چیت آگے بڑھ کر ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ اس بات چیت کے نتیجے میں جو بھی حل نکل آئے گا' وہ میں عوام کے سامنے رکھوں گا۔ آپ کو اختیار ہے کہ اسے قبول کریں یا مسترد۔ حل آپ کو منظور ہو تو ٹھیک ورنہ کوئی اور راستہ تلاش کیا جائیگا۔ اس سلسلے میں آزاد کشمیر کے عوام سے پوچھ کر انہیں بھی اعتماد میں لیا جائے گا۔ پاکستان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اس معاملے میں ان کا مفاد بھی دیکھنا ہے کیونکہ وہی حل پائیدار ہے جس سے سارے برصغیر میں امن و امان قائم رہے۔ نئی دہلی کے ساتھ اصولوں پر کوئی سمجھوتہ

نہیں ہو سکتا' اور نہ ہی یہ بات چیت اقتدار کے حصول کے لئے ہو رہی ہے"۔

شیخ عبداللہ کے صاحبزادے ڈاکٹر فاروق نے کہا کہ آزاد کشمیر کے حالیہ دورے میں ' میں نے ان لوگوں کو بتایا کہ نئی دہلی کے ساتھ شیخ عبد اللہ جو بات چیت کر رہے ہیں اس میں ان کا بھی خیال رکھا جائے گا۔ برطانیہ سے آئے ہوئے میرپوری حضرات نے دھمکی دی کہ اگر شیخ عبد اللہ اور دہلی کی بات چیت ناکام ہو گئی تو وہ گوریلا جنگ لڑیں گے۔ دوسرے مہمان نے وارننگ دی کہ اس صورت میں بغاوت برپا کرکے ہم ساری دنیا میں ہند اورپاکستان کو نقصان پہنچائیں گے۔ تیسرے میرپوری صاحب نے وارننگ دی کہ مذاکرات میں ناکامی کی صورت میں ہم تلوار اٹھانے پر مجبور ہوں گے پتہ نہیں ان معصوم میرپوری بھائیوں کو کیسے یقین آیا تھا کہ مرکز اور شیخ عبد اللہ کی بات چیت کا نتیجہ کشمیر کی آزادی کی صورت میں ظاہر ہوگا آخر میں اس ساری شعر وشاعری کا مقطع مرزا افضل بیگ نے یہ جملہ ادا کرکے لکھا کہ "ان نوجوانوں کی تقریروں کا سنجیدہ نوٹس نہ لیا جائے' کیونکہ یہ جذباتی نوجوان ہیں"۔

رد عمل

پاکستان کا بیان

اب جبکہ دنیا اس حقیقت سے باخبر ہو گئی کہ محاذ رائے شماری کی اعلیٰ سطح کی قیادت نے اپنے نصب العین کو بدل ڈالا ہے۔ تو ۱۰ جولائی ۱۹۷۴ء کو وزیراعظم پاکستان اور وزیر خارجہ پاکستان دونوں نے مجوزہ اندرا' عبداللہ پیکٹ کے خلاف اپنے اپنے بیانات جاری کر دیئے اور اکیس برس کے بعد پہلی بار پاکستان میں سرکاری سطح پر پروپیگنڈا مہم کا آغاز ہو گیا۔ ۱۲ جولائی کو ریڈیو پاکستان نے بھی شیخ عبد اللہ کے خلاف اپنا تبصرہ پڑھا۔اس طرح محاذ کے سیاست کاروں کی طرف سے پھیلائی گئی یہ باتیں کہ سری نگر اور دہلی کے درمیان جو بات چیت چل رہی ہے' اس میں پاکستان کا مشورہ بھی شامل ہے۔ آخر کار غلط اور بے بنیاد ثابت ہو گئیں' اور لوگوں کا شک و شبہ رفع ہو گیا۔

جلسے اور جوابی جلسے

مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لئے حق خودارادیت پر مبنی آزاد اور بے ریا رائے شماری کے موقف سے دستبردار ہو جانے کے بعد شیخ محمد عبداللہ کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ۱۲ جولائی کو عوامی مجلس عمل کے سربراہ میرواعظ مولوی محمد فاروق نے نوہٹہ سے خانیار اور ڈل گیٹ کے راستے گول باغ تک ایک بہت بڑے جلوس کی رہنمائی کی۔ جس میں تقریباً" ایک لاکھ عوام نے حصہ لیا۔ گول باغ میں بھاری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے مولوی محمد فاروق نے شیخ عبد اللہ پر کڑی تنقید کی' اور رائے شماری کو مسئلہ کشمیر کا مسلمہ بین الاقوامی حل قرار دیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ جب تک وکیل کو مختانہ ملتا رہا۔ وہ مقدمے کی وکالت بھی کرتا رہا۔ لیکن جب یہ مختانہ بند ہو گیا اس نے مسئلے کی وکالت کرنا بھی چھوڑ دی۔

اس تقریر کے بعد رات ڈھلنے پر شہر کے اندرونی علاقوں میں محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے حامیوں میں جھڑپیں ہوئیں۔ جن میں تقریباً" ۲۵ افراد زخمی ہو گئے۔ دونوں پارٹیوں کے درمیان جھڑپوں اور پتھراؤ کے واقعات دو دن تک جاری رہے۔ جس سے شہر کا ماحول سخت کشیدہ ہو گیا۔

۱۳ جولائی کو یوم الشہداء کشمیر پر محاذ رائے شماری کے اہتمام سے مرزا افضل بیگ اور شیخ غلام محمد بھدر واہی کی قیادت میں مجاہد منزل سے مزار شہداء تک ایک زبردست جلوس نکلا۔ شیخ عبد اللہ نے مزار پر جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

" یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہم نے رائے شماری کا موقف ترک کر دیا ہے۔ البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر رائے شماری نہیں ہو سکتی ہے تو کوئی دوسرا باعزت تصفیہ ہونا چاہئے اور اگر اس سلسلہ میں کوئی متبادل حل نکل سکتا ہے تو ہم اس پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ کہنا کہ پاکستان یا کوئی دوسرا کشمیر کے سوال کا فریق ہے غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے کشمیر ہمارا ہے اور ہم ہی اس کے فریق ہیں "۔

آپ نے مرحوم مولانا محمد یوسف شاہ پر سخت تنقید کی۔ سری نگر میں دو پارٹیوں کے درمیان اکا دکا تصادم جاری تھا رائے شماری کا مطالبہ کرنے والے بارہ مولہ کالج کے طلباء اور پولیس کے درمیان جھڑپیں ہوئی تھیں۔ اسی اثناء میں مرزا محمد افضل بیگ نے پارتھا سارتھی کے ساتھ ایک اور طویل ملاقات میں آئینی نکات پر گفت و شنید کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو بتایا:

" بات چیت کٹھن مرحلے میں داخل ہوئی ہے' اگر رائے شماری کرنے میں مشکلات ہیں تو ہمیں قابل قبول متبادل حل نکالنا چاہئے' اور محاذ اس پر راضی ہو گا"۔

مرزا افضل بیگ نے عوامی ایکشن کمیٹی کے اس الزام کی تردید کی کہ محاذ اپنے موقف سے منحرف ہو گیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ کوئی انحراف نہیں ہوا ہے۔ بلکہ خود عوامی ایکشن کمیٹی ہی منحرف ہو گئی ہے۔ آپ نے کہا کہ شیخ عبد اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ پہلے ۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے' اور پھر ان قوانین کا جائزہ لیا جا سکتا ہے جو بعد میں ریاست پر لاگو کئے گئے ہیں۔ ایسے قوانین جو لوگوں کے لئے مفید ہوں ریاست کی نمائندہ اسمبلی کے ذریعے پاس ہونے کے بعد ہی نافذ کئے جا سکتے ہیں آخری تصفیہ ہونے سے پہلے پاکستان کی رائے دریافت کی جانی چاہئے بیگ نے کہا کہ عوامی ایکشن کمیٹی اور جماعت اسلامی مفاد خصوصی جماعتیں ہیں۔ کشمیر پولیس ہمارے مخالفوں کی حمایت کرتی ہے۔ اور شہر کے فسادات روکنے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کرتی۔"

دریں اثناء پاک افغان سرحد کے قریب ایک مقام پر ایک اخباری کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم پاکستان نے خبردار کیا:

" اگر کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور شیخ عبداللہ کے درمیان کوئی ناپسندیدہ

فیصلہ ہوا تو پاکستان اس کا پابند نہیں ہو گا اور ایسے کسی فیصلے سے ریاست کی متنازعہ حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور نہ ہی اس سے پاکستان اپنا وہ موقف ترک کر دے گا کہ کشمیر کا سوال آزاد اور غیر جانبدار رائے شماری سے طے ہو سکتا ہے "۔

مظاہرے اور گرفتاریاں

۲۹ جولائی کو بھی شہر کے اندرونی علاقوں میں محاذ اور عوامی ایکشن کمیٹی کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور طلبہ نے شیخ عبداللہ کے خلاف مظاہرے کئے۔ حالانکہ کالجوں کے پرنسپلوں اور پولیس والوں کے ذریعے طلباء کے والدین پر دباؤ ڈالا جاتا رہا کہ وہ اپنے اپنے بچوں کو روز روز کے مظاہروں کی سیاست سے باز رہنے پر مجبور کریں۔ ورنہ نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔ بہت سارے طلبہ گرفتار کر لئے گئے۔ ان گرفتاریوں کے خلاف اسلامیہ کالج سری نگر اور گاندھی کالج سری نگر کے طلبہ نے احتجاجی مظاہرے کئے۔

ادھر دہلی میں کشمیر کے مذاکرات پسند لیڈروں کی طرف سے مرزا بیگ نے پارتھا سارتھی اور بعد میں مسز گاندھی کے ساتھ طویل بات چیت کی۔ بعد میں مرزا بیگ نے اس بات کا انکشاف کیا کہ بات چیت آگے بڑھی ہے اور اس کی کامیابی بھی متوقع ہے۔ اس کے ساتھ ہی روزنامہ " آفتاب " نے لکھا کہ نئی دہلی میں بیگ پارتھا سارتھی مذاکرات ختم ہو کر آئینی مسائل طے ہو گئے ہیں اور اب وزیراعظم اور شیخ عبد اللہ کے درمیان سیاسی سوالات پر براہ راست بات چیت ہو گی۔ دوسری طرف سے ریاست کے کانگریسی وزیراعلیٰ میر قاسم نے ایک بیان میں کہا کہ مرکز اور شیخ عبد اللہ کے درمیان جو بات چیت ہو رہی ہے اس میں کوئی خفیہ معاہدہ نہیں ہو رہا ہے۔ اور اب کشمیر میں غیر یقینی صورت حال ختم ہونے کا امکان ہے۔ نیز شیخ صاحب کے ساتھ مفاہمت سود مند ثابت ہو گی۔"

گاندربل میں مولانا مسعودی پر ہوٹنگ

۸ اگست کو گاندربل میں نماز جمعہ کے موقعہ پر محاذرائے شماری کی طرف سے ایک جلسہ ہوا' شیخ محمد عبداللہ' شیخ غلام محمد بھدر واہی جنرل سیکرٹری محاذ رائے شماری 'اور شمیم احمد شمیم ممبرپارلیمنٹ نے جلسے میں تقریریں کیں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ نئی دہلی کے ساتھ ہماری بات چیت جاری ہے ہم نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے' اور نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان مذاکرات کا انجام کیا ہو گا۔ البتہ آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ ہمیں کامیابی ہو گی۔ محاذ کے جنرل سیکرٹری نے کہا کہ محاذ اپنے اس موقف پر قائم ہے کہ کشمیری عوام ہی اس ریاست کی قسمت کے مالک ہیں اور وہی اس کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ بعد میں شمیم احمد شمیم ایم پی اٹھے' انہوں نے مولانا مسعودی پر طنزیہ فقرے کسے اور مولانا کا موازنہ ایک ایسے شخص سے کیا جو خود تو کرکٹ کا کھلاڑی نہ ہو۔ لیکن گھر بیٹھے ریڈیو پر انگلینڈ اورجاپان میں کھیلے جانے والے میچ کی کمنٹری سن کر مختلف کھلاڑیوں کے کھیل پر تنقید کرتا ہو۔ مسٹر شمیم نے کہا کہ یہ لوگ ساحل پر بیٹھ کر خیر و شر کی رزم آرائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مولانا مسعودی بھی نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے قریب ہی بیٹھے تھے۔ وہ یہ سب کچھ سن کر سٹیج پر آ گئے اور شیخ عبداللہ سے مسٹر شمیم کے فقروں کا جواب دینے کے لئے وقت مانگا جلسے میں محاذ کے حامیوں کی اکثریت تھی۔ انہوں نے مولانا مسعودی کے خلاف ہوٹنگ کی۔ اور شیخ عبداللہ نے مولانا کا مطالبہ مسترد کر دیا۔ اس ہنگامے کے بعد مولانا مسعودی نے اپنی رہائش گاہ پر صحافیوں کے ساتھ بات چیت کی' وہ یہ ہے:۔

"میرا موقف یہ ہے کہ سب سے پہلے ۵۳ء کی پوزیشن بحال کی جائے' جب ان سے اس پوزیشن کی وضاحت کرنے کو کہا گیا تو انہوں نے کہا کہ ۵۳ء میں تینوں پارٹیاں انڈیا پاکستان اور کشمیر اس بات پر متفق تھیں کہ رائے شماری کے ذریعے کشمیر کا فیصلہ کیا جائے اور جب تک یہ تینوں پارٹیاں کسی متبادل حل پر متفق نہیں ہو جاتی ہیں' تب تک یہ موقف برقرار رہنا چاہئے۔ اگر تینوں پارٹیوں میں صرف دو آپس میں اتفاق کر بھی لیں تب بھی یہ تنازعہ ختم نہیں ہوسکتا۔ مولانا مسعودی نے بتایا کہ شملہ معاہدہ کے تحت ہند اور پاکستان پہلے دوسرے مسائل حل کریں۔ اس کے بعد آخر کار

کشمیر پر بھی بات چیت ہو گی۔ اس میں کشمیر کے نمائندوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے ایک اخباری نمائندے نے مولانا سے کہا کہ شیخ صاحب کا کہنا ہے کہ مرکز کے ساتھ بات چیت کے بعد جو بھی حل نکل آئے گا اسے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا اور ان کی منظوری حاصل کی جائے گی۔ اس پر مولانا نے طنزاً" کہا کہ ہاں وہ حل اسی طرح لوگوں کے سامنے نہیں رکھا جانا چاہئے جس طرح آج جلسے میں میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی"۔

جماعت اسلامی جموں وکشمیر نے بھی اندرا' عبداللہ مجوزہ معاہدے پر اپنا عندیہ پیش کیا۔ جماعت کی مجلس شوریٰ نے چار روز ریاست کی تازہ ترین سیاسی صورتحال پر بحث و مباحثہ کرنے کے بعد پریس کے نام ایک بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ کشمیری عوام کی نمائندگی کرنے کا حق کوئی فرد واحد ادا نہیں کر سکتا۔ جماعت نے مناسب نمائندگی کو نظر میں رکھنے کا مطالبہ کیا مرکزی مجلس شوریٰ نے ہندوستان اور پاکستان پر زور دیا کہ وہ ستمبر میں منعقد ہونے والی دو طرفہ بات چیت میں مسئلہ کشمیر عوام کے جذبات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

معاہدے کا اشارہ

۱۳ اگست کو شیخ محمد عبداللہ نے لداخ اور جموں کے نمائندوں کے ایک سہ روزہ کنونشن کے اختتام پر ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ مرکز کے ساتھ ہماری بات چیت آخری مرحلے میں داخل ہو گئی ہے اور بیگ پارتھاسارتھی مذاکرات بھی قریب الاختتام ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ستمبر کے آخر یا اکتوبر کے شروع میں تصفیہ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ سیاسی تبدیلیاں کئی طرح سے لائی جا سکتی ہیں۔ درمیانی مدت کا انتخاب ہو یا صدر راج کا نفاذ' یہ ضروری نہیں کہ پارٹی بنیادوں پر ہی حکومت بنائی جائے' بلکہ انفرادی طور پر یا مل جل کر ہر شخص' ہر طبقے اور ہر حلقے کے تعاون سے حکومت بنائی جا سکتی ہے"۔

اسی دن نوہٹہ چوک میں "شیر کشمیر چوک" کے نام سے ایک بورڈ آویزاں کرنے کی کوشش کرنے کے دوران محاذ رائے شماری اور عوامی ایکشن کمیٹی کے حامیوں کے درمیان ایک تصادم ہوا۔ یہ کشیدگی سارے اندرونی علاقے میں پھیل گئی' ایک سو افراد زخمی اور لگ بھگ ۵۰ افراد گرفتار کرلئے گئے۔

پاکستان سے مذاکرات کا وعدہ

۱۹ اگست کو شیخ عبداللہ نے اسلام آباد چوک میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"نئی دہلی کے ساتھ بات چیت کے بعد پاکستان سے بھی بات چیت کی جائے گی، تاکہ آزاد کشمیر کے مستقبل کا سوال بھی طے کر دیا جائے۔ ہر بات مرحلہ وار ہو گی۔ لیکن ہم کسی قسم کی سودا بازی نہیں کریں گے۔ ہم ہر ایک معاملہ اور فیصلہ عوام کے سامنے رکھیں گے۔ اگر انہیں منظور ہو تو ہم آگے بڑھیں گے۔ عوام کی مرضی کے خلاف یا ان کی منظوری حاصل کئے بغیر کچھ نہیں ہوگا"۔

اسلام آباد میں طلباء کے مظاہرے

سیر کانلی گنڈ میں شیخ محمد عبداللہ نے اس بات کو پھر دہرایا کہ نئی دہلی سے بات چیت کا حاصل اور حل عوام کے سامنے پیش کیا جائے گا، پھر عوام ہی اس کو منظور یا مسترد کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اسلام آباد پہنچنے پر ڈگری کالج کے طلباء نے شیخ عبداللہ کے خلاف زبردست مظاہرے کئے۔ جن میں "پاکستان زندہ باد" کے نعرے بلند کئے گئے۔ پولیس نے ان طلبہ کے خلاف ڈنڈے اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے اور طلباء نے پتھراؤ کے ساتھ جوابی حملہ کیا۔ فریقین زخمی ہو گئے اور ۲۵ نوجوان گرفتار کر لئے گئے۔

عوام سے رائے لی جائے گی

۳۱ اگست کو ایک اخباری اطلاع میں بتایا گیا کہ شیخ مرکز مذاکرات ایک نازک اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ گورنر جہا اور وزیراعلیٰ میر قاسم دونوں کو مسز گاندھی نے نئی دہلی طلب کیا، اور بدھ وار کو وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کی صدارت میں ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں ریاستی گورنر مسٹر جہا اور میر قاسم شریک ہوئے روزنامہ "اسٹیٹسمین" کی روایت کے مطابق ابھی بیگ پارتھا سارتھی بات چیت کے تصفیہ طلب امور میں ریاست کے لئے گورنر کی تقرری کا طریقہ کار اور گورنر اور وزیر اعلیٰ کو صدر ریاست اور وزیراعظم ریاست سے دوبارہ موسوم کرنے اور مالی ادغام کے مسائل شامل تھے۔ نیز ۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے پر مرکز آمادہ نہیں ہے۔ دریں اثناء ۲۴ اگست کو شیخ عبداللہ نے ایک اخباری انٹرویو میں مدیر

روزنامہ "آفتاب" کو بتایا کہ ۸ اگست ۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے کے بعد ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر ہم ایک عبوری حکومت قائم کر کے سب سے پہلے آزادانہ انتخابات کرائیں گے"۔

ادھر کرگل میں ایک جلسہ عام میں شیخ محمد عبداللہ نے اپنا وہ عہد پھر دہرایا کہ نئی دہلی کے ساتھ مذاکرات کی کامیابی کے بعد لوگوں سے رائے لی جائے گی، اور عوام کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ہی ہم اسے منظور کریں گے۔ اسی اثناء میں شیخ اندرا مذاکرات میں تعطل پیدا ہو جانے کی خبریں گشت کرنے لگیں کہ وزیراعلیٰ میر قاسم نے ۴ ستمبر کو اپنی قیام گاہ پر ایک اخباری کانفرنس میں ان خبروں کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا اور کہا کہ مستقبل میں ضرورت پڑی تو محاذ اور کانگریس کی ملی جلی وزارت کا قیام خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔

مرزا بیگ کا الہام

۱۳ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ نے بانڈی پورہ جا کر ایک جلسہ عام کو بتایا کہ ہم اپنے موقف پر قائم ہیں۔ اس وقت بات چیت ہو رہی ہے۔ اور ہم نے واضح کر دیا ہے کہ ۱۹۵۳ء کی پوزیشن بحال کی گئی تو ایک بنیاد قائم ہو سکتی ہے۔ اسی روز مرزا افضل بیگ پر مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کے کارکنوں کے ایک اجلاس میں یہ الہام ہوا:

"اب راولپنڈی کا راستہ سالوں میں نہیں، مہینوں میں کھلے گا۔ میں نے وزیراعظم بھٹو اور وزیر خارجہ عزیز احمد کی تقریریں سنی ہیں۔ وقت آنے پر ان کے ساتھ دوبدو بات چیت کروں گا"۔

پریس کلب آف انڈیا سے خطاب

دوسرے روز شیخ عبداللہ اور مرزا افضل بیگ دونوں نئی دہلی چلے گئے۔ جہاں شیخ عبداللہ نے وزیراعظم مسز گاندھی اور صدر فخرالدین علی احمد سے ملاقاتیں کیں، اور مرزا بیگ نے چار مرتبہ مسٹر پارتھا سارتھی سے گفت و شنید کی۔ ۱۸ ستمبر کو نئی دہلی پریس کلب آف انڈیا سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

"مرکز کے ساتھ اس وقت تک کوئی بھی سمجھوتہ خارج از امکان ہے جب

تک وہ اس ریاست میں ایک نئی اسمبلی کے قیام کے لئے چناؤ نہیں کرواتا۔ کشمیر میں نئے انتخابات عمل میں لانے کی صورت میں ہی مرکز اور ریاست کے درمیان اس اعتماد کو بحال کیا جا سکتا ہے' جو ۱۹۵۳ء سے پہلے موجود تھا۔ مذاکرات کا موجودہ دور ابھی تک اس مرحلہ پر نہیں آ پہنچا ہے جہاں پہنچ کر فریقین میں سمجھوتہ ہو سکتا ہو۔ جموں و کشمیر کی نئی اسمبلی ہی' جب اسے منتخب کر لیا جائے گا' ان قوانین کی چھان بین کرے گی' جو ۱۹۵۳ء کے بعد ریاست پر نافذ کئے گئے تھے۔ میرے نمائندے مرزا افضل بیگ اور وزیراعظم کے نمائندے مسٹر پارتھا سارتھی کے درمیان ۵۳ء کے بعد ریاست پر نافذ کئے گئے قوانین کے بارے میں جو تبادلہ خیال ہو رہا ہے۔ وہ پرائیویٹ نوعیت کا ہے' اس سلسلہ میں جو بھی کوئی سمجھوتہ ہو گا اس کی توثیق ریاست کی نئی منتخب شدہ اسمبلی کے ذریعے کرانی ہو گی۔ اسمبلی کے لئے آزادانہ اور منصفانہ چناؤ کئے جائیں۔ ہر اس شخص کو جو چناؤ لڑنے کا خواہش مند ہو' امیدوار بن کر لڑنے کی آزادی ہونی چاہئے' اور ان انتخابات کی نگرانی کرنے کے لئے ایسے غیر جانب دار مبصر تعینات کئے جا سکتے ہیں' جن کی شخصیت بے داغ اور ایمانداری مسلمہ ہو۔ ۵۳ء کی پوزیشن سب سے پہلے بحال ہونی چاہئے (جملے پر زور ڈالا) تب جا کر میں ایڈمنسٹریشن کی قیادت اپنے ہاتھ میں لینے کی بات سوچوں گا۔ اگر میں وزیراعلیٰ بنا تو پہلا کام جو انجام دونگا وہ یہ ہو گا کہ ان لوگوں سے جنہوں نے اس مدت میں (میری غیر حاضری میں) بڑے پیمانے پر دولت حاصل کی ہے' پوچھا جائے گا کہ وہ اپنی آمدنی کے ذرائع کی وضاحت کریں۔ وہ یہ بتائیں کہ انہوں نے یہ دولت کہاں سے حاصل کی ہے۔ اگر ایڈمنسٹریشن پر لوگوں کے اعتماد کو بحال کرنا ہے تو ایسے لوگوں کو پھانسی ملنی چاہئے' جنہوں نے لوٹ کھسوٹ کر کے غریب عوام کا حق مارا ہے"۔

شیخ عبداللہ نے آگے چل کر کہا:

" الحاق ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ کشمیر میں جو نئی اسمبلی بنے گی۔ وہ اس سوال کو نہیں اٹھائے گی۔ میں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ کیونکہ میں اس کی جمہوریت اور سیکولرازم کے عقیدوں کی قدر کرتا ہوں"۔

آپ نے مرکز (ہندوستان) سے کہا کہ:

" ہم آپ تک خون کے دریا پار کر کے پہنچے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ہم پر اعتبار نہ کریں"۔

انہوں نے کہا:

" مرکز کے ساتھ مفاہمت ہو جانے کے بعد آزاد کشمیر کا مسئلہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ ایک متحدہ محاذ بنا کر ان کا مستقبل متعین کیا جا سکتا ہے۔ میرے ذہن میں اس وقت آزاد کشمیر کے بارے میں کئی حل ہیں۔ لیکن اس وقت یہ کہنا قبل از وقت ہے۔"

اس پریس کانفرنس میں شیخ صاحب نے نیشنل کانفرنس کے احیائے نو کی طرف بھی اشارہ کیا۔

شیخ محمد عبداللہ نے کلکتہ کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

" حکومت ہند کے ساتھ میری بات چیت مکمل ہو چکی ہے میرے اور حکومت کے درمیان جو سمجھوتہ ہو گا' اس پر ایک ریفرنڈم کے ذریعے عوام کی رائے لی جا سکتی ہے۔ اگر لوگوں کو مجوزہ حل قبول ہو تو وہ اس کے حق میں رائے دے کر اپنی خواہش کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے انتخابات بھی ہو سکتے ہیں۔ رائے شماری واحد حل نہیں ہے۔ اسی طرح خود مختار کشمیر کے تصور پر ہمیں پہلے سوچنا ہو گا کہ آیا ہم آزاد رہ سکتے ہیں؟"

دہلی میں پانچ روز تک قیام کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ واپس سری نگر لوٹ آئے۔ دوسرے روز یہاں ایک اخبار کے ساتھ ملاقات میں انہوں نے بتایا کہ مسائل اس قدر آسان نہیں کہ انہیں ایک یا دو ملاقاتوں مین حل کیا جائے۔ ہمیں اقتدار کی ہوس نہیں ہم اپنے اصولوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

دوسری طرف سے مرزا افضل بیگ نے مذاکرات پر ایک محتاط تبصرہ کیا اور کہا کہ نئی دہلی میں ہماری بات چیت جاری ہے' اس میں تعطل نہیں ہے۔ صرف میری صحت کی خرابی تعطل کا سبب ہے"۔

مذاکرات میں بہ ظاہر ستمبر ۱۹۷۴ء سے جو تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ محاذ رائے شماری کے حلقے اس صورت حال سے سخت تشویش میں مبتلا تھے لیکن شیخ محمد عبداللہ یا مرزا محمد افضل بیگ میں سے کسی نے اس قسم کے تعطل کا کوئی تاثر نہیں دیا۔ اندازہ ہے کہ مذاکرات میں نئی روح پھونکنے کے لئے اور کشمیری لیڈروں کی دل تسلی کے لئے وزیراعظم مسز اندرا گاندھی ۲۹ اکتوبر کو کشمیر کے دو روزہ دورے پر نئی دہلی سے سری نگر اسی جہاز میں پہنچ گئیں' جس جہاز میں خود شیخ محمد عبداللہ بھی سوار تھے۔ دونوں

رہنماؤں نے اس مشترکہ ہوائی سفر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کی۔ بعد میں مسز گاندھی نے مسٹر پارتھا سارتھی کو پیرس سے طلب کرلیا' اور وہ مرزا بیگ کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے ۲۷ نومبر ۷۴ء کو سری نگر پہنچ گئے۔ اسی روز آپ نے اوبیرائے پیلس ہوٹل میں مسٹر بیگ کے ساتھ دو گھنٹے تک بات چیت کی جسے اخبارات نے اہم قرار دیا بلکہ اس بات چیت کو کشمیر کے لئے داخلی خود مختاری کے حصول کی بات چیت قرار دے کر محاذ والوں میں خوشی کی لہر پیدا کر دی۔

معاہدہ ہو گیا!

اگر ایک طرف سے نوجوان فکر مند تھے کہ اندرا' عبداللہ معاہدہ کی پیدائش قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہے تو دوسری طرف سے پاکستان بھی نئی صورتحال کو تشویش کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وزیراعظم پاکستان نے ۶ نومبر ۷۴ء کو احمد پور شرقیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"حکومت ہند اور شیخ عبداللہ کے درمیان کشمیر کے بارے میں جو فارمولا تیار ہو رہا ہے' وہ اس وقت تک کارگر نہیں ہوگا' جب تک نہ پاکستان کو منظور ہو۔ شیخ محمد عبداللہ نے جلد از جلد کشمیر کا تصفیہ نہ ہونے کی صورت میں انقلاب برپا کرنے کی جو دھمکی دی ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق مسئلہ کشمیر کو حل کرانا چاہتے ہیں"۔

(بحوالہ ریڈیو پاکستان)

۱۰ نومبر کو پارتھا سارتھی کے ساتھ اہم مذاکرات کرنے کے لئے نئی دہلی روانہ ہونے سے قبل مرزا محمد افضل بیگ نے بتایا:

"مسٹر پارتھا سارتھی سے میری بات چیت کا یہ نازک ترین اور آخری دور ہو گا۔ میرے خیال میں اس بات چیت میں سمجھوتے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا"۔

۱۴ نومبر ۱۹۷۴ء کو مرزا بیگ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ وہ:

"گذشتہ ڈیڑھ دو برس سے مسٹر پارتھا سارتھی کے ساتھ میری جو بات چیت چل رہی تھی' وہ اب ختم ہو گئی ہے نتائج سے وزیراعظم اور شیخ صاحب کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔"

اسی روز مجاہد منزل سری نگر کے ایک اعلانیہ میں بتایا گیا ہے کہ بیگ صاحب نے نئی دہلی میں مسٹر پارتھا سارتھی کے ساتھ بات چیت پایۂ تکمیل تک پہنچادی ہے۔ اس دورے میں بیگ صاحب نے مسز اندرا گاندھی کے ساتھ بھی ملاقات کی۔ اگرچہ

ابھی معاہدے کا باقاعدہ رسمی طور پر اعلان نہیں کیا گیا۔ تاہم سرینگر کے روزنامے "آفتاب" نے ۱۵ نومبر کے شمارے میں یہ اطلاع دی کہ بیگ پارتھا سارتھی مذاکرات میں سمجھوتہ ہو گیا ہے۔

اسی روز مجاہد منزل سے شیخ محمد عبداللہ کے ٹیٹوال اور ٹنگہ ڈار کے جلسوں کے بارے میں محاذ رائے شماری کا ایک پریس نوٹ منظرِعام پر آگیا انہوں نے کہا تھا:۔

"اگر کشمیر کے پیچیدہ مسئلے کا حل نکل آیا' تو وہ منظوری کے لئے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا' جب کوئی راستہ نکل آئے گا۔ تو ہم پاکستان کے ساتھ بھی بات چیت کریں گے۔ کوئی بھی فیصلہ اس وقت تک دائمی نہیں ہو سکتا جب تک نہ پاکستان بھی اس پر راضی ہو"۔

۱۵ نومبر کو شیخ محمد عبداللہ نے چرار شریف میں شیخ نورالدینؒ کی زیارت گاہ پر تقریر کرتے ہوئے پھر دہرایا کہ:۔

"کشمیر کے بارے میں ہند کے ساتھ باعزت سمجھوتہ ہو جانے سے ہمارا کام ختم نہیں ہو گا بلکہ ہم وزیراعظم پاکستان مسٹر بھٹو کے ساتھ بھی بات چیت کریں گے۔ کیونکہ جب تک پاکستان بھی ان سارے معاملات میں شریک نہیں ہو گا کشمیر کا مسئلہ حتمی صورت میں حل نہیں ہو گا"۔

شیخ محمد عبداللہ نے یہ بیانات کشمیر کے خاص حالات اور کشمیریوں کے مزاج کو سامنے رکھ کر ہی دیئے تھے۔ لیکن نئی دہلی کو ان کے یہ بیانات پسند نہ تھے۔ چنانچہ محاذ کے جنرل سیکرٹری شیخ غلام محمد بھدرواہی نے مجاہد منزل سے اخبارات کے لئے مندرجہ ذیل پریس نوٹ جاری کیا:

"شیخ صاحب کی طرف سے حالیہ دورہ میں کی گئی تقریروں کو بعض اخبارات نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے' کہیں ان سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ کشمیر کے تصفیہ میں پاکستان کی تائید شرط اول ہے اور کہیں یہ کہا گیا ہے کہ شیخ صاحب پاکستان کی منظوری حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ صاحب نے کہا کہ جب ہند کے ساتھ سیاسی مذاکرات خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہونگے۔ اور فیصلہ قابل قبول ہو گا تو اس فیصلہ سے پاکستان کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ کشمیر کا تنازعہ پرامن طریقے سے حل ہو جائے امن کی تلاش کا تقاضہ ہے کہ ہم صدق دلانہ کوشش کریں تاکہ پاکستان مطمئن ہو جائے کہ موجودہ حالات میں مشکلات کے پیش نظر ہند کے ساتھ کیا ہوا فیصلہ ممکن

العمل ہے۔ اس بارے میں پاکستان کی رائے حاصل کرنا ضروری ہے"۔

معاہدہ دہلی پر ۱۴ نومبر ۱۹۷۴ء کو مرزا افضل بیگ اور مسٹر پارتھا سارتھی کی طرف سے دستخط ہو جانے کے باوجود کوئی اعلان نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسی میں بہت ساری مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ اسی لئے محاذ کے لیڈر اب بھی زبان سے "مسئلہ کشمیر" کے نام کو ایکسپلائٹ کرتے تھے۔ مثلاً ۲۹ نومبر کو مرزا محمد افضل بیگ نے اوڑی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"کشمیر کا مسئلہ اب بھی زندہ ہے۔ بلکہ اب حل ہونے کو ہے اس کی بڑی وجہ شیر کشمیر کی آواز ہے۔ شیخ صاحب نے کہا ہے کہ ہند کے ساتھ ہونے والی بات چیت کا جو بھی حل نکل آئے گا اسے لوگوں کے سامنے رکھا جائے گا۔ اسے منظور کرنا یا مسترد کرنا لوگوں کا کام ہے"۔

پتھر مسجد سری نگر میں عید الاضحیٰ کی مقدس تقریب پر شیخ محمد عبداللہ نے پاکستان کو مسئلہ کشمیر کا فریق قرار دیتے ہوئے جو کچھ کہا اسے غور سے پڑھیئے، حالانکہ معاہدہ دہلی ہوا تھا:۔

"وزیراعظم پاکستان نے تو ٹھیک ہی کہا ہے کہ کشمیر کرسمس کا کوئی کیک نہیں ہے' جسے ہند اور پاکستان بانٹ کر کھائیں بلکہ یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ اس مسئلے کا دائمی حل وہی ہو گا' جو تینوں فریقوں کے لئے قابل قبول ہو گا۔ نئی دہلی سے بات چیت جاری ہے۔ اس بات چیت کا مقصد اقتدار حاصل کرنا نہیں اور نہ مجھے اقتدار کی خواہش ہے۔ میرے سامنے کچھ اصول اور مقاصد ہیں جن کے لئے میں جدوجہد کرتا ہوں"۔

خود مختار کشمیر پر ڈاکٹر فاروق کے خیالات

ان دنوں کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کے فرزند ڈاکٹر فاروق عبداللہ آزاد کشمیر کے دورے سے لوٹے' جہاں انہوں نے پاکستانی اور آزاد کشمیری لیڈروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ شیخ صاحب اپنی قوم سے غداری کے مرتکب نہیں ہوں گے۔ ڈاکٹر فاروق کے بارے میں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنے دورہ پاکستان میں خود مختار کشمیر کے تصور کی پرزور وکالت کی۔ اور اخبار "جہاں" کو ایک انٹرویو دیا۔ ڈاکٹر فاروق سے پوچھا گیا کہ کچھ مدت سے اس قسم کی خبریں آ رہی ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ

نے بھارت کی بالادستی تسلیم کر لی ہے۔ اور اب وہ بھارتی آئین کے تحت کشمیر کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔ انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ محض الزام ہے اور اس میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ۵۳ء میں شیخ محمد عبد اللہ وزیراعظم تھے جب انہیں پتہ چلا کہ بھارت کشمیر کے عوام کے حق خودارادیت سے منحرف ہو رہا ہے اور کشمیر کی مخصوص حیثیت ختم کرنے کے درپے ہے توانہوں نے نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس کی مخالفت کی جس کی پاداش میں انہیں نہ صرف اقتدار سے الگ ہونا پڑا بلکہ طویل قید و بند کی صعوبتیں بھی ان کا مقدر بن گئیں۔اور ہر قسم کے مصائب ومشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ لیکن مشکل سے مشکل حالات میں بھی وہ ریاست کی آزادی اور حق خودارادیت کے مطالبے سے دست بر دار ہونے پر تیار نہ ہوئے اب جبکہ ان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہے اور وہ جانتے ہیں کہ زندگی کی چند ساعتوں کے بعد انہیں سب سے بڑی حقیقت کا سامنا کرنا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ساری عمر کی جدوجہد پر پانی پھیر کر اپنی قوم سے غداری کے مرتکب ہوں گے۔ ایک خود مختار کشمیر کے تصور کا ذکر کرتے ہوئے فاروق عبداللہ نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کا یہ بھی ایک آبرو مندانہ حل ہے کہ ریاست جموں وکشمیر کو جو کہ ۸۴ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے تقریباً ۷۰ لاکھ نفوس کی آبادی کا ملک ہے۔ آزاد اور خود مختار قرار دیا جائے۔ دوسری جنگ عظیم میں جب نازی جرمنی نے دنیا کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا تھا' تو سوئٹزر لینڈ تب بھی آزاد رہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس زمانہ میں سوئٹزر لینڈ عالمی سازشوں کا اکھاڑہ بن گیا تھا لیکن وہ وقتی کیفیت تھی۔ سوئٹزر لینڈ آج بھی آزاد اور خود مختار ریاست ہے۔ یہی نہیں بلکہ آج دنیا میں قیام امن کے لئے اہم فیصلے جنیوا میں ہوتے ہیں۔ اگر کشمیر بھی ایک دوسرا سوئٹزر لینڈ بن جائے تو اس میں نقصان کا کون سا پہلو ہے؟ بلکہ یہ علاقہ پڑوسی ممالک پاکستان'بھارت چین اور روس کے درمیان غلط فہمیاں دور کرانے اور طاقت کا توازن قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اس کے خوب صورت قدرتی مناظر اور تتفاف پانی سے سبز جھیلیں دلوں کی کدورتیں دھو ڈالیں گی۔ اگر ریاست جموں وکشمیر کی آزادانہ اور خود مختارانہ حیثیت پر اتفاق رائے ہو جائے۔ تو اس کو اقوام متحدہ کا رکن بن جانے کی وجہ سے تحفظ میسر آ سکتا ہے اور اس کی سالمیت کی ضمانت ادارہ اقوام متحدہ اور اس کے رکن ممالک دیں گے۔"

عوامی انقلابی محاذ

محاذ رائے شماری کی اعلیٰ سطحی قیادت کو مرکزی حکمرانوں کی سرد مہری نے سخت مایوس کر دیا تھا۔ ساتھ ہی انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ معاہدے کے بعد نوجوانوں کا رد عمل بڑا ہی ڈراؤنا ہو گا اس لئے وہ چاہتے تھے کہ الفتح کیس میں ملوث بعض نوجوانوں کے ذریعے ایک طفیلی تنظیم وجود میں لائیں۔ اس امید کے ساتھ کہ مرکزی حکمران یہ محسوس کر لیں کہ محاذ کی قیادت میں اس قدر طاقت ہے کہ وہ کشمیر کے تشدد پسند نوجوانوں کو عدم تشدد کے مسلک پر گامزن کرا سکتی ہے اور محاذ کے ساتھ جلد از جلد کوئی معاہدہ طے نہ کیا گیا تو وہ اپنے " دہشت پسند" متاثرین کی پیٹھ ٹھونک کر مرکز کے لئے مصیبت اور بدنامی بھی لا سکتا ہے۔ دوم اس فائدے کی امید میں کہ مرکز کے ساتھ معاہدہ طے ہو جانے کے بعد نوجوانوں کا یہ گروہ " الفتح" کی لیبل کے باعث اور بھی کئی طالب علموں اور نوجوانوں کو اپنے ساتھ باندھ سکے گا۔ اس طرح معاہدے کے مخالفین پر دہشت بھی طاری ہو گی مرزا محمد افضل بیگ پہلے ہی مکڑ مکڑی کا جالا کھینچنے کے عادی ہیں چنانچہ انہوں نے ۶۸ء سے نوجوانوں اور طالب علموں کے ساتھ راہ ورسم بڑھا کر کئی قسم کے ناپائدار گوشے تعمیر کئے ہیں۔ ۱۹۶۹ء میں جب میں احتیاطی نظربندی ایکٹ کی رو سے سری نگر کے سنٹرل جیل میں اپنی نظربندی کے طویل شب وروز گذار رہا تھا'مرزا افضل بیگ ہماری رٹ درخواستوں میں وکیل استغاثہ تھے'اور وہ اس دور میں سنٹرل جیل آ کر ہمارے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایک روز سنٹرل جیل کے دفتر میں انہوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ طلبہ کی مختلف تنظیموں کو اپنے مشترکہ مسائل کے لئے متحد ہو جانا چاہیے۔ اور میں مشورہ کے لئے اپنی خدمات وقف رکھوں گا۔ لیکن آپ اپنے معاملات کے فیصلوں میں خود مختار ہوں گے۔ پھر بیگ صاحب کے ساتھ میرے کئی سوالات و جوابات ہوئے جو میں نے اسی روز اپنی جیل ڈائری میں ریکارڈ کر ڈالے ہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک بیگ صاحب کئی سٹوڈنٹ تنظیموں کو بناتے' پالتے اور بگاڑتے آئے ہیں۔ الفتح کیس میں ماخوذ بعض

نوجوانوں پر مرزا محمد افضل بیگ کا ذاتی اثر و نفوذ قائم ہو گیا تھا' کیونکہ وہ مقدمہ میں ان کی طرف سے وکیل صفائی تھے۔ بہرکیف ۱۹۷۴ء میں اندرا عبداللہ معاہدے کے لئے اسٹیج کی تیاریوں کا آخری اورنازک مرحلہ قریب تر آ گیا۔ مرزا افضل بیگ نے الفتح کیس کے ایک دھڑے کو الگ کرکے عوامی انقلابی محاذ کے قیام کا اعلان کرایا اور غلام رسول زہگیر کو اس کا صدر بنایا۔ انہوں نے مرزا محمد افضل بیگ کی موجودگی میں لال چوک میں اپنے دفتر پر نئی پارٹی کی تشکیل کا اعلان کیا' اور ایک اخباری کانفرنس میں ۱۹۴۷ء کی پوزیشن بحال کرنے اور سری نگر راولپنڈی شاہراہ کھولنے کے مطالبات کئے۔ آپ کے اخباری بیان کا خلاصہ اور تتمہ مرکز اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان ہونے والے مذاکرات کی حمایت اورنیک تمناؤں میں ظاہر ہوگیا۔ عوامی انقلابی محاذ کے قیام سے محاذ رائے شماری کو اندرا' عبداللہ مجوزہ معاہدے کی تبلیغ اور ترجمانی کے لئے نوجوانوں کا ایک بازو مل گیا۔ عوامی انقلابی محاذ۔۔۔۔ اپنے نام کی کشش کی وجہ سے کچھ عرصہ تک کشمیر کے نوجوانوں کو متاثر کرنے میں کامیاب رہا لیکن اس پارٹی کے سرکردہ نوجوان ایک بہت بڑے تضاد کا شکار بھی رہے۔ جواس تنظیم کے لئے آخر کار جان لیوا ثابت ہو گیا۔ ایک طرف سے ان کا کہنا تھا کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کی ایک خود مختار مملکت قائم کرنے کے حق میں ہیں' دوسری طرف سے یہ لوگ عملاً" ہندوستان کے ساتھ اس کے آئینی دائرے کے اندر اندر ہونے والے مذاکرات اور مجوزہ معاہدے کی کامیابی کی کوششوں میں نوجوانوں کی صف بندی میں بھی مصروف تھے۔ ایک طرف سے آزاد کشمیر کو پاکستان سے الگ کرنے کی دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں۔ دوسری طرف سے کشمیر کے ایک حصہ پر مملکت ہند کی بالادستی بھی تسلیم کی گئی تھی۔ افسوس کہ محاذ کی قیادت نے حصول اقتدار کی خاطر بھولے بھالے نوجوانوں کو بھٹکا کر غلط منزل کی طرف لیا اور ان کی صلاحیتیں اور توانائیاں ضائع کر دیں فارسی زبان کے ایک نکتہ رس کا یہ شعران ہی لوگوں پر صادق آتا ہے:

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ تو مے روی بہ ترکستان است

جوں جوں اندرا' عبداللہ معاہدہ کی تیاری اور اقتدار کی بحالی کے دن قریب تر

آتے گئے عوامی انقلابی محاذ میں بھی بہت سارے لوگوں کا داخلہ نوکریوں اور روپے پیسے کے حصول کی خاطر تیز تر ہوتا گیا اندرا' عبداللہ معاہدہ کے اعلان کے بعد اور شیخ عبداللہ کے اقتدار کی بحالی کے کچھ عرصہ بعد محاذ رائے شماری کے لیڈروں نے اپنے نوجوان بازو عوامی انقلابی محاذ کی طرف سرد مہری اور بے رخی برتنی شروع کی۔ کیونکہ محاذ کے لیڈروں اور دیرینہ کارکنوں کو ڈر تھا کہ اگراس نوجوان بازو کی طرف پیار اور محبت کا وہی پرانا مظاہرہ برقرار رکھا گیا تو یہ بچے کرسیوں کی تقسیم میں شریک ہو کر ان میں سے بہتوں کی " حق ماری" کا سبب بن جائیں گے۔ ان نوجوانوں کو جن اغراض کے لئے استعمال کرنا مقصود تھا' اب تو وہ حاصل ہو گئے تھے۔ اس لئے اب اس تنظیم کو ٹھوکریں مار کر یوتھ نیشنل کانفرنس کے نام سے ایک اور تماشہ اور کھلونا پارٹی کے چیس بورڈ پر نمایش کے لئے لایا گیا' لیکن یہ نمایش بھی زیادہ دیر تک چل نہ سکی' اور بہت جلد ٹوٹ کر اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب یوتھ فیڈریشن نے نیشنل کانفرنس کے نوجوان بازو کی سرداری سنبھالی۔ لیکن یہ تنظیم اپنے اور اپنے بزرگوں کے سوداگرانہ اور الیکشن اغراض کے بغیر اور کسی بلند تر اور ایمان دارانہ مقصد حیات کے لئے کام کرنے کے جذبہ سے محروم ہے۔ کیونکہ خود اس کی آبائی تنظیم نیشنل کانفرنس حکمرانی کا کوئی شستہ اور ایمان دارانہ نمونہ پیش نہیں کر سکی ہے۔ بلکہ فاسد اور غلیظ نالیوں میں خطرناک اضافہ کر چکی ہے۔ ڈاکٹر فاروق نے پارٹی کی صدارت سنبھالنے کے بعد اسی سال فیڈریشن کو واپس تنظیم میں مدغم کرکے یوتھ ونگ نیشنل کانفرنس کے نام سے ایک اکائی بنائی جس کا کنٹرول پارٹی کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔

پیپلز لیگ کا قیام

۱۹۷۴ء میں شیخ محمد عبداللہ اور مرزا افضل بیگ کی طرف سے روز روز کے بیانات ' کہ کشمیر فقط ایک گھریلو آئینی سوال ہے پاکستان اس کا کوئی فریق نہیں ہے' اور اصل مسئلہ کا حل یہ ہے کہ مرکز اور ریاست کے درمیان وہ اعتماد دوبارہ بحال کیا جائے جس کو ۱۹۵۳ء میں گرایا گیا تھا' سے ایک چیلنج آور صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ اب محاذ کے لیڈروں کی نظر میں کشمیر یکایک آزاد ہو گیا تھا۔ صرف آزاد کشمیر کا سوال باقی تھا 'جس کو " آزاد" کرانے کے لئے محاذ رائے شماری والے مانگ کر رہے تھے۔ اہل کشمیر محاذ رائے شماری کے انحراف کو دیکھ کر سخت مایوس ہو رہے تھے۔ لیکن حریت پسندی کا سیاسی شعور رکھنے والے لوگ نئے حالات کامقابلہ کرنے کے لئے میدان عمل میں آنے کے لئے بے قرار تھے۔ ٹھیک ان ہی حالات میں طلباء اور نواجونوں کی چند تنظیمیں یوتھ لیگ' ینگ مینیز لیگ' سٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن اور الفتح کے چند وابستگاں سری نگر میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ یہ سب ہی گروپ اس بات پر آپس میں متفق تھے کہ رائے شماری کے بارے میں اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں اور ہندوپاکستان کی حکومتوں کے مواعید کی بنیاد پر کشمیری عوام کے لئے حق خود ارادیت کے حصول کی جدوجہد جاری رکھنے کا عزم بالجزم کیا جائے۔ ان مذاکرات کے بعد یکم اکتوبر ۱۹۷۴ء کو جموں وکشمیر پیپلز لیگ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

پیپلز لیگ نے اسی موقف کو برقرار رکھا' جس سے شیخ محمد عبداللہ اور ان کے حواری منحرف ہو گئے تھے۔ اور پاکستان کے بارے میں اس امر کا اعادہ کیا کہ وہ کشمیر کے سوال کا ایک فریق ہے۔ لیگ نے نوجوانوں اور طالب علموں سے اپیل کی کہ وہ حق خوداراویت کے حصول کی جدوجہد کو بامعنی' موثر اور پرسوز بنانے کے لئے روح اسلامی سے فیضان حاصل کرتے رہیں' اور پرچم لیگ کے سائے میں ان سب درد مندوں کی صف بندی کریں جو اہل کشمیر کے حق خوداراویت اور دین وسیاست کے ایک ہونے پر ایمان رکھتے ہوں۔

جناب فضل حق قریشی لیگ کے بانی چیئرمین منتخب ہو گئے لیکن جلد ہی جناب نذیر احمد وانی اس عہدے پر فائز ہو گئے۔ جن دوسرے نوجوانوں نے اس تنظیم کی بنا استوار کرنے میں مرکزی و بنیادی رول ادا کیا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں : جناب محمد مصدق عادل' جناب اسلم وانی' ڈاکٹر فاروق احمد بٹ' جناب عبدالمجید پٹھان' جناب محمد اعظم انقلابی۔ جناب ایس حمید اور جناب حمید اللہ بٹ۔۔۔۔۔ طالبات کے ایک گروپ نے بھی اس کی آواز پر لبیک کہی تھی۔

لیکن اسلامی نظریاتی حصار کی بنیاد پر پارٹی کی تعمیرو تشکیل کا جو فیصلہ ابتدا میں کیا گیا تھا وہ عمل میں نہ لایا گیا اس طرح پارٹی کی پہلی صفوں میں غیر نظریاتی' غیر پختہ اور نا تجربہ کار عناصر بھی آسانی سے داخل ہو گئے' جو کام کے بجائے مقام کی تلاش میں فکر مند رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تنظیم میں منافقوں اور اسلام و حق خود ارادیت کے دشمنوں نے اپنا جال پھیلا دیا اور تنظیم بحران میں گرفتار ہو گئی۔ اس وقت تنظیم سازی کا جو ڈھنگ اختیار کیا گیا' یہ اسی کے کانٹے ہیں۔ جو ابھی تک پیپلز لیگ کے پاؤں میں پیوست ہیں۔ اس کے علاوہ انہی ایام میں پیپلز لیگ نے معروف و مسلّم جمہوری سرگرمیوں اور زیر زمین سرگرمیوں کو خلط ملط کر دیا اور وہ اپنے وسائل و مسائل اور صلاحیتوں کے دائرے میں ان دونوں کا میدان' مقام و محل ٹھیک ٹھیک متعین کرنے میں ناکام رہی۔ اس نے سیاسی اور تحریکی داؤ پیچ کے استعمال کی اہمیت سے بھی ناواقفیت کا ثبوت دیا۔ اچھے' قابل اعتماد اور مخلص کارکن' غیر یقینیت کے شکار ہو گئے۔اور طالع آزماؤں اور منافقوں نے اس کے خلاف اپنی یورشوں میں اضافہ کر دیا۔ تنظیم کے داخلی بحران اور خارجی سازشوں کا بہت جلد یہ نتیجہ نکلتا کہ اب اس کا ڈھانچہ ختم ہو جاتا یا اس کی باگ ڈور مکمل طور پر اسلام اور حق خود ارادیت کے دشمنوں یا طالع آزماؤں کے ہاتھوں میں چلی جاتی اور دشمنان دین و ملت اسے آسانی کے ساتھ اپنے ناپاک مقاصد کے لئے استعمال میں لاتے۔ اس صورت حال میں تنظیم کے مخلص' ہوشمند اور سرکردہ اصحاب نے بڑی پھرتی سے جولائی ۱۹۷۸ء میں مجھے پیپلز لیگ کا چیئرمین منتخب کر لیا۔ حقیقت میں یہ تجویز پہلی بار ۱۹۷۴ء میں ہی میرے سامنے رکھی گئی تھی۔ ۱۹۷۵ء کے ہنگامی حالات کے اعلان اور میرے زمانہ نظر بندی میں ان کا

اصرار بڑھ گیا تھا۔ لیکن میں ۱۹۷۸ء تک تنظیم کی سربراہی سنبھالنے سے برابر انکار کرتا رہا آخر جب میں نے پیپلز لیگ کی دعوت قبول کرکے اس کی صدارت سنبھالی تو مجھ پر اس کے اور کئی پہلو اور گوشے آشکارا ہوگئے۔ جن کا مجھے پہلے سے پورا علم نہ تھا اور اسلام اور حق خود ارادیت کے دشمنوں کی تازہ یورشوں سے اندازہ ہونے لگا کہ ان کو نئی تبدیلیوں نے کس طرح سٹپٹایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے تنظیم کے پھیلاؤ اور اس کی نئی صف بندی کے کام میں زیر زمین حربوں سے رکاوٹیں پیدا کیں۔ میں نے اپنا کام جاری رکھا اور مسلسل محنت کرکے تنظیم کو طویل دستوری خلاء سے نکالا اور ۳۰ دسمبر ۱۹۷۹ء کو لیگ کے ایک غیر معمولی اور نمائندہ اجلاس میں اس کا آئین منظور کرایا۔ جو اس کی انقلابی اور نظریاتی دعوت کا آئینہ دار ہے۔ بعد ازاں انتھک جدوجہد اور عملی پروگرام کے ذریعے کارکنوں اور متاثروں میں پیپلز لیگ کی تحریک کے نظریاتی اور انقلابی پہلوؤں اور گوشوں کی اہمیت و افادیت کا شعور جگانے کی بھرپور کوشش جاری رکھی۔ جس کو منافقوں نے عیاری کے ساتھ سبوتاج کرنے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن ان کی سازشیں طشت از بام کر دی گئیں۔ اور تنظیم عزم و حوصلہ کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا ہے کہ تنظیم کا قیام ہمارا اصل مقصد نہ تھا۔ اصل مقصد زندگانی کے وہ نقوش اور خدوخال تھے' جو اسلام نے ہمارے سامنے لائے ہیں۔ اور اگر کوئی نظام جماعت ہمارے مقصد حیات قومی مقاصد یعنی آزادی اور سرداری کی جدوجہد کے لئے تنگ و تاریک بنا دیا جاتا ہے۔ تو ضروری نہیں کہ ہم بھی اپنے آپ کو قیدی بنائیں۔ ہمیں اپنی جدوجہد کے دریا میں تلاطم برپا کرکے پیش قدمی کی خاطر نئی راہوں کو دریافت کر لینا چاہئے۔ اور چٹانوں' درختوں اور بندھوں کو اپنے ساتھ بہا لینا چاہیے

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

بہرحال پیپلز لیگ نے کمال ہمت' جرات اور سرفروشی کے ساتھ نہایت ہی نامساعد حالات میں حق خودارادیت کے حصول کی مشعل روشن رکھی ہے۔

معاہدہ دہلی کی توثیق

۱۹۷۵ء ایک افسوسناک سال ثابت ہو گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ بائیس برس کے لمبے عرصے کے بعد شیخ محمد عبداللہ کی طرف اقتدار منتقل کر دیا گیا۔ لیکن معاہدہ دہلی کا متن منظرعام پر آنے کے بعد اس کرسی میں وقار' جلال اور تمکنت کسی کو محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ خود شیخ عبداللہ اس سے پہلے اور اس کے بعد سخت ذہنی الجھن میں گرفتار تھے۔ کیونکہ وہ آپ اپنے ہاتھ سے ایک ادنیٰ سی شئے کے عوض ایک بیش قیمت متاع کو چھوڑ رہے تھے۔ جس کے حصول کی کوششوں میں انہوں نے اور دوسرے لوگوں نے ایک لمبے عرصے سے زندگی کے بہترین لمحات جیل خانوں میں بسر کئے تھے اور نوجوانوں نے اپنے گرم گرم خون کا نذرانہ دے کر اپنے مقدس اور آبرو مندانہ نصب العین کی کھیتی میں ہریالی لائی تھی۔ ان کے بیانات کا حرف حرف تضادات اور ذہنی کشمکش کی غمازی کر رہا تھا۔ دوسری طرف سے ان کے کئی ساتھی مذاکرات کی مزید گردشوں کو لاحاصل سمجھ رہے تھے۔ وہ بے قرار تھے اور ان کی آخری خواہش اب یہی تھی کہ اب جو کچھ ملے۔ اسے قبول کیا ہی جانا چاہئے اگرچہ وہ کتنا ہی بے قدر اور قلیل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ گذشتہ کئی برسوں کے انداز سیاست نے ان کی نظر تنگ اور محدود بنائی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ کے لئے اپنوں کے مزاج کی یہ افسوسناک کیفیت ذہنی عذاب کا باعث بن گئی تھی۔ اسی لئے ان کے بیانات صبح و شام بدلتے رہتے تھے۔ اور ان کی تگ و تاز کا ماسوائے حصول اقتدار کوئی محور دکھائی نہ دیتا تھا۔ جنوری ۷۵ء کے پہلے ہفتہ میں وہ نئی دہلی چلے گئے اور جموں میں انہوں نے کہا:

"مسئلہ کشمیر کا حل آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت نکالا جانا چاہئے۔ میں اس وقت کچھ لینا چاہتا ہوں' اور شریمتی اندرا گاندھی کا کام ہے اب کچھ دینا۔ مسئلہ کشمیر کو حتمی طور پر حل کرنے کے لئے پہل کرنا اب ہندوستان کی وزیراعظم کا کام ہے۔ مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر پارتھا سارتھی کے درمیان آئینی معاملات پر جو طویل مذاکرات ہوئے۔ ان کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے شریمتی اندرا گاندھی ایک

اہم رول ادا کر سکتی ہیں ۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ بیگ پارتھا سارتھی مذاکرات کے نتائج کو آخری شکل نہیں دے سکی ہیں۔ لیکن مجھے امید ہے کہ اس بات کے لئے وہ موزوں وقت خود مقرر کریں گی۔ میں ہند کے ساتھ الحاق کی تنسیخ کے حق میں نہیں ہوں"۔

لیکن روزنامہ "آفتاب" مورخہ ۱۰ جنوری نے لکھا کہ شیخ صاحب اپنے اس موقف پر بڑی سختی کے ساتھ قائم ہیں کہ کشمیر اسمبلی کو توڑ کر ایک نئی اسمبلی کے لئے انتخابات کرائے جائیں۔ اس سلسلے میں وہ اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں۔

کچھ عرصہ بعد ماہ فروری میں کالی کٹ میں شیخ عبداللہ نے اپنا یہ وعدہ پھر دھرایا کہ میں مرکز کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو عوام کے سامنے رکھوں گا اگر انہوں نے اس کی توثیق کی تو میں آگے بڑھوں گا۔ اگر انہوں نے اسے مسترد کیا تو اقتدار سے الگ ہو جاؤں گا۔

آپ نے کہا کہ کشمیر کے نئے آئینی ڈھانچہ میں میری حیثیت وزیراعلیٰ کے عہدہ سے اونچی ہو گی"۔

۱۹ فروری کو ٹرویندرم پریس کلب میں اخبار نویسوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے بتایا کہ نئی کشمیر اسمبلی ہی ریاست اور مرکز کے درمیان تعلقات کے بارے میں آئین کی دفعہ ۳۷۰ کے تحت کی گئی تبدیلیوں کا جائزہ لے گی۔ اور اگر نئی کشمیر اسمبلی نے ان میں سے بعض کو ٹھیک قرار دیا۔ تو وہ ان کی توثیق کرے گی۔ اگر اس نے یہ محسوس کیا کہ ان میں سے بعض تبدیلیاں ریاستی عوام کے مفاد میں نہیں ہیں۔ تو انہیں مسترد کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ہم ۱۹۵۳ء کی اس پوزیشن پر قائم رہیں گے جس کے مطابق ہم نے مرکز کو دفاع امور خارجہ اور مواصلات دیئے تھے۔

ایک اور اخباری ملاقات میں شیخ محمد عبداللہ نے پھر کہا:

"نئی دہلی میں حکومت ہند کے ساتھ کشمیر پر بات چیت کے جو بھی نتائج نکلیں گے میں انہیں عوام کے سامنے رکھوں گا۔ نتائج قبول کرنے یا مسترد کرنے کے مجاز صرف عوام ہیں"

اس کے فوراً" بعد یہ خبر آئی کہ شیخ محمد عبداللہ فروری کے تیسرے ہفتے میں حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال رہے ہیں۔ اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے ریاست کے وزیراعلیٰ مسٹر میر قاسم نے کانگریسی کارکنوں سے کہا۔

"اب ہم سب کو چاہئے کہ شیخ صاحب کے ہاتھ مضبوط کریں۔ اور اس نئے تجربے کو کامیابی سے ہم کنار کریں۔ جو کشمیر کے خوشحال مستقبل کی ضمانت بن سکتا ہے۔ ہم پچھلے چودہ برس سے یہ کوشش کرتے آئے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ سے مفاہمت ہو جائے' اور وہ اسی طرح ہماری قومی تحریک کی رہنمائی کریں جس طرح وہ ۱۹۵۳ء تک کرتے رہے"۔

۲۶ جنوری ۱۹۷۵ء کو روزنامہ "آفتاب" نے شیخ محمد عبداللہ کی "کامیابی" پر مندرجہ ذیل شہ سرخیاں جمائیں۔

"شیخ صاحب کے بیشتر مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ صدر ریاست اور وزیراعظم کے عہدے بحال ہو رہے ہیں۔ کشمیر کو داخلی خود مختاری دی جا رہی ہے' اور ۵۳ء کی پوزیشن بھی بحال ہو گی"۔

اس اعلان کے بعد محاذ رائے شماری کے کارکن تمام وادی میں متحرک ہو گئے۔

وزیراعظم بھٹو کی کال

معاہدہ دہلی کے متوقع اعلان پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے وزیراعظم پاکستان نے ۲۷ جنوری ۱۹۷۵ء کو کیمبل پور کے جلسہ عام میں کہا:

"شیخ محمد عبداللہ اب تک دو بار غلطی کر چکے ہیں۔ اگر انہوں نے تیسری غلطی کی تو یہ ان کی آخری غلطی ہو گی۔ اور ۲۹ جنوری کو وزیراعظم بھٹو نے گجرات کے جلسہ عام میں اعلان کیا کہ پاکستان شیخ اندرا معاہدہ کے خلاف احتجاج کرے گا۔ انہوں نے ساری دنیا اور جموں وکشمیر کے دونوں طرف رہنے والے عوام اور پاکستان کے عوام سے اپیل کی کہ وہ اندرا عبداللہ معاہدہ کا اعلان ہوجانے کے بعد آنے والے پہلے جمعہ کو ایک دن کا احتجاجی ہڑتال کریں۔ پاکستان اپنے اس موقف سے دست بردار

نہیں ہوگا کہ مسئلہ کشمیر حق خودارادیت کی بنیاد پر اقوام متحدہ کی پاس شدہ قراردادوں کے مطابق حل ہونا چاہئے۔ اندرا' عبداللہ معاہدہ سے بین الاقوامی عہدو پیمان اور فیصلے متاثر نہیں ہوں گے انہوں نے کہا کہ یہ ایک گٹھ جوڑ ہے۔ شیخ عبداللہ نے اب تک دو بار غلطیاں کی ہیں' یہ ان کی تیسری' آخری اور سب سے بڑی غلطی ہے۔ شیخ عبداللہ قدرتی راستہ کھولنے کی باتیں کر رہے ہیں' اور خود غیر قدرتی راستے پر جا رہے ہیں۔ وہ قدرتی راستہ پر آ جائیں تو قدرتی راستہ بھی کھل سکتا ہے۔ وزیراعظم بھٹو نے کہا کہ ہڑتال کرانے کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو یہ تاثر دیا جائے کہ یہ معاہدہ ہمیں منظور نہیں ہے۔

وزیراعظم پاکستان کے خطاب عام کا ٹیپ ریکارڈ ریڈیو پاکستان سے بجایا گیا' اور اسے سارے کشمیر میں بہ غور سنا گیا۔

مختلف پارٹیوں کے تاثرات

شیخ محمد عبداللہ نے وزیراعظم پاکستان کے اعلان عام کو افسوسناک قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بیان فضا کو زہر آلود بنانے کی ایک کوشش ہے اور اس سے نئی تلخیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ میرواعظ مولوی محمد فاروق نے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے حق خودارادیت اور سہ فریقی نظریئے کو پھر دہرایا انہوں نے اپنی پارٹی کی مجلس عاملہ کو بتایا کہ حکومت ہند اور شیخ عبداللہ کے درمیان ہوئے کسی بھی یکطرفہ' پس پردہ اور غیر جمہوری معاہدہ کے خلاف احتجاج کیا جائے گا۔ ۱۴ فروری کو جامع مسجد کے عوامی اجتماع میں انہوں نے پھر کہا کہ لوگ حالات بدلنے' کسی جماعت یا لیڈر کے موقف تبدیل کرنے یا رائے شماری کے نصب العین سے دستبردار ہونے سے ہرگز مایوس نہ ہوں۔ نہ کسی متوقع سیاسی تبدیلی سے مرعوب یا مشتعل ہوں۔ ہم کسی صاحب کا وزارت کی کرسی پر بیٹھنے کے ذاتی طور پر دشمن نہیں ہیں۔ تاہم وزارتی تبدیلیاں مسئلہ کشمیر کا کوئی حل نہیں ہیں"۔

جموں و کشمیر پیپلز لیگ نے بھی اندرا' عبداللہ معاہدہ کے خلاف ایک

زور دار احتجاجی ہڑتال کرنے کی اپیل کی۔ جماعت اسلامی جموں و کشمیر نے اعلان کیا کہ " اگر ہند نے اس مسئلہ کو سلامتی کونسل کی قراردادوں اور شملہ سمجھوتہ کے تحت متنازعہ مان لیا ہے۔ تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی فرد واحد کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اسے دفنانے کی کوشش کرے' اس مسئلہ کو ہند' پاکستان اور کشمیری عوام کے باہمی مشورے سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ کشمیری عوام سے پوچھے بغیر ان کے بنیادی مسئلہ کو ختم کرنے کا سلسلہ سری نگر اور دہلی کے درمیان اب اپنے آخری انجام کو پہنچنے والا ہے۔ اس سے نہ کشمیری عوام مطمئن ہونگے' اور نہ ہند پاک تعلقات معمول پر آئیں گے"

تصفیے کی توثیق

۶ فروری کو سری نگر میں اخبار نویسوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے کہا کہ شیخ صاحب اور حکومت ہند کے درمیان مذاکرات نتیجہ خیز ثابت ہو گئے ہیں' اور ریاست اور مرکز کے درمیان دیرپا تعلقات قائم کرنے کے لئے ایک اچھی بنیاد فراہم ہو گئی ہے۔ نئی دہلی اور شیخ صاحب کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا ہے' اسے عوام کے سامنے پیش کرنے کے لئے شیخ صاحب آئندہ ہفتے یہاں آ رہے ہیں"۔

۱۱ فروری کو مجاہد منزل میں ضلع سری نگر کے محاذی ورکروں کے سامنے معاہدہ دہلی پر روشنی ڈالتے ہوئے مرزا محمد افضل بیگ نے کہا:

" شیخ صاحب اپنے اس وعدے پر قائم ہیں کہ مذاکرات کے نتائج سے عوام کو آگاہ کیا جائے گا۔ موزوں وقت پر اس معاہدہ کے تمام امور لوگوں کی تصدیق کے لئے پیش کئے جائیں گے۔ آج سے تین سال پہلے میں نے ایک بیان میں دہلی میں کہا تھا کہ برصغیر کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر حقیقت پسند رویہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ حکومت ہند کے ساتھ طویل مذاکرات کے بعد آخر کار ایک ایسا مرحلہ آ ہی گیا۔ جب ہمیں محسوس ہوا کہ ان مذاکرات سے ایک ایسی بنیاد پیدا ہو گئی ہے۔ ہمارے ورکروں کو مفاد خصوصی عناصر کے پروپیگنڈا کا کوئی اثر نہیں لینا چاہئے"۔

آخر ۱۵ فروری ۱۹۷۵ء کو مجاہد منزل میں محاذ رائے شماری کی مجلس عاملہ نے معاہدہ دہلی کی توثیق کر دی۔

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزہ خوں ریزھے ساقی

نوجوان بلہ کی شہادت

اب معاہدہ دہلی کا رسمی اعلان ہونے والا تھا' اس سلسلے میں متوقع عوامی مخالفت کے تند و تیز ریلے سے بچنے کے لئے حکومت نے نوجوانوں اور طالب علموں کی گرفتاریاں شروع کیں' اور جموں و کشمیر پیپلز لیگ کے سرکردہ کارکنوں کو داخلی سلامتی ایکٹ کے تحت حراست میں لیا گیا اسی اثناء میں خبر ملی کہ سنٹرل جیل سری نگر میں سوپور کے ایک نوجوان غلام محمد بلہ کی پراسرار حالات میں موت واقع ہو گئی ہے۔ جنہیں پولیس نے سوپور میں ایک مظاہرے کے دوران گرفتار کرلیا تھا۔ کہتے ہیں کہ غلام محمد بلہ گیارہ فروری کو سوپور چوک میں ایک بینر لگاتے ہوئے گرفتار کر لئے گئے' اور انہیں زبردست ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا تھا' نیز پولیس نے ان کے ساتھ حوالات میں ناشایاں سلوک کیا تھا۔ ایک قیدی کا چشم دید بیان ہے کہ پولیس کی وحشیانہ مارپیٹ کی وجہ سے ان کے گھٹنے بیٹھ چکے تھے' اور وہ سینٹرل جیل کی سب سے بڑھی ڈیوڑھی کے اندر داخل کئے جانے کے وقت شدید اذیت میں مبتلا تھے۔ اور کھڑے ہو کر چلنا ان کے لئے دوبھر تھا۔ اس المناک خبر سے سارے ضلع میں تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ سوپور کے ایم' ایل اے سید علی گیلانی نے ایک بیان میں کہا کہ مرحوم غلام محمد بلہ کی نعش کا نہایت ہی مشتبہ حالت میں پوسٹ مارٹم کیا گیا ہے اور ان کی میت رات کے اندھیرے میں سری نگر سینٹرل جیل سے سوپور لا کر چپکے سے دفنائی گئی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ مرحوم کو میری اطلاعات کے مطابق حراست میں لینے کے بعد بری طرح مارا پیٹا گیا تھا' انہوں نے ان سارے واقعات کی غیر جانب دار عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ جموں و کشمیر پیپلز لیگ نے قیدیوں کے حقوق کا تحفظ کرنے والے بین الاقوامی ادارے کے ذریعے تحقیقات کی مانگ کی۔ عوامی ایکشن کمیٹی نے مرحوم بلہ کی موت کو ایک پراسرار قتل قرار دیا اور سٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن نے بھی اس دردناک واقعہ کے خلاف اپنے جذبات غم و غصہ ظاہر کئے سوپور کے عوامی حلقوں

نے مقامی ڈی ایس پی مسٹر بانڈے کو اس بہادر نوجوان کا قاتل قرار دیا۔ افسوس ہے کہ کشمیر کے ڈویژنل کمشنر نے اس سانحہ سے پیدا ہونے والے عوامی غیض و غضب کو سطحی اہمیت دے کر سب ڈویژنل میجسٹریٹ بارہ مولہ کو تحقیقات کرنے اور پندرہ روز تک اپنی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا۔ لیکن سنٹرل جیل سری نگر کے کسی ایسے نظر بند کو چشم دید شہادت دینے کا موقعہ نہ دیا گیا' جو اس سانحہ کا عینی گواہ تھا۔ چند ماہ گذرنے کے بعد ۲۱ مئی کو مرزا محمد افضل بیگ سوپور کے دورے پر آئے اب وہ ایک ایسی حکومت کے نائب وزیراعلیٰ تھے جس کی بنیاد فروری ۱۹۷۵ء میں نوجوان غلام محمد بلہ کی نعش پر رکھی جا چکی تھی۔

ابتداء میں مرزا محمد افضل بیگ نے یقین دلایا تھا کہ وہ اس پراسرار موت کی تحقیقات کرائیں گے۔ چنانچہ سوپور پہنچ کر لوگوں نے ان سے یہی سوال کرنا چاہا' اور یہی مطالبہ کیا کہ آپ کے وعدے اور اعلان کے باوجود نوجوان بلہ کے قتل میں ملوث ڈی' ایس' پی ابھی تک سوپور میں کیوں ہے ؟ اور تحقیقات کا عمل کیوں شروع نہیں ہوتا؟ اس طرح سوپور میں ایک زبردست پروٹسٹ جلوس نکلا۔ پولیس نے جلوس پر لاٹھی چارج کیا اور گرفتاریاں عمل میں لائیں۔ اس کے بعد سوپور اور بانڈی پور میں بھی پروٹسٹ ہوا۔ جناب غلام قادر وانی بھی گرفتار کر لئے گئے اور ان کے ساتھ گرفتاری سے پہلے اور گرفتاری کے بعد نہایت ہی وحشیانہ اور انسانیت سوز برتاؤ کیا گیا۔ موصوف اور سوپور کے دوسرے معزز شہری' خواجہ عنایت اللہ حاجی' ہلال فارمیسی خواجہ غلام حسن صوفی' خواجہ عبدالرحیم لنگو' خواجہ عبدالرزاق زکی' اور محمد شفیع دازہ وغیرہ چوری کے ایک بناوٹی اور جھوٹے مقدمے میں پھنسائے گئے۔ یوں نئی حکومت نے اپنا سب سے پہلا کام یہ انجام دیا کہ ایک ایسی ایجی ٹیشن کو نوجوانوں اور طالب علموں کی مار دھاڑ' گرفتاریوں اور جھوٹے مقدمات کے ذریعے کچل ڈالا جو بہادر بلہ کے گرم گرم خون حریت کا قصاص لینے کے لئے شروع کی گئی تھی اس سانحہ کی برائے نام تحقیقات کا جو اعلان کیا گیا تھا' اس کی رپورٹ آج تک نامکمل رکھی گئی اور اس قتل میں ملوث افراد کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرائی گئی۔

پارلیمنٹ میں اعلان

ہندوستان کے صدر مسٹر فخرالدین علی احمد نے ۱۷ فروری ۷۵ء کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ مرکزی حکومت اور جموں و کشمیر کے نمائندوں کے درمیان تفصیلی گفت و شنید کے مثبت نتائج نکلے ہیں۔ اور مرکزی حکومت جلد ہی اس کے بارے میں ایک بیان جاری کرے گی۔

جموں میں ۲۲ فروری کو وزیراعلیٰ سید میر قاسم نے کانگریس کی لیجسلچر پارٹی میں اپنے عہدے کا استعفیٰ پیش کیا جو منظور کر لیا گیا۔

اس کے بعد ۲۴ فروری کو وزیراعظم ہندوستان مسز اندرا گاندھی نے پارلیمنٹ میں معاہدہ دہلی کا باقاعدہ اعلان کر دیا' مسز گاندھی نے بتایا کہ یونین اور ریاست جموں وکشمیر کے آئینی تعلقات بدستور دفعہ ۳۷۰ کے تحت قائم رہیں گے۔ اور دونوں کے درمیان موجودہ تعلقات میں کوئی کمزوری نہیں آئے گی۔ جب لوک سبھا میں جن سنگھ کے مسٹر اٹل بہاری باجپائی اور راجیہ سبھا میں مسٹر پرکاش ویر شاستری نے مسز گاندھی سے کچھ وضاحتیں طلب کیں تو وزیراعظم نے جواب دیا۔

" دفعہ ۳۷۰ آئین کا ایک مستقل جز بن گئی ہے"

وزیراعظم نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ

" اب چونکہ رائے شماری کا تصور ایک غیر متعلقہ چیز بن گئی ہے اس لئے محاذ رائے شماری کا نام اور اس کے اغراض و مقاصد تبدیل کئے جائیں"

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے بیان کے بعد جن سنگھ کے ممبروں نے وزیراعظم سے مرزا افضل بیگ کے اس بیان کی وضاحت مانگی جس میں مؤخر الذکر نے کہا تھا کہ اب دفعہ ۳۷۰ ایک مستقل جز ہے۔ ان ممبروں نے یہ نکتہ اٹھایا تھا کہ پہلے سے یہ تصور تھا کہ ۳۷۰ آئین کی ایک عارضی خصوصیت ہے' اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ دفعہ ختم کر دی جائے گی۔ ماضی میں اسی تاثر کی تصدیق جواہر لال نہرو نے ایوان مین اپنے بیانات کے ذریعے کی تھی' ان ممبروں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مسز گاندھی نے الگ الگ دونوں ایوانوں میں کہا کہ جموں وکشمیر وہ واحد ریاست ہے جس نے اپنا آئین بنانے کے لئے ایک آئین ساز اسمبلی کا قیام عمل میں لایا تھا۔

یہ اختیار اسی اسمبلی کو دیا گیا تھا کہ وہ اس امر کا فیصلہ کرے کہ کیا ۳۷۰ کو قائم رہنا چاہئے یا اس میں ترمیم کی جانی چاہئے یا اسے ختم ہی کر دینا چاہئے۔ وزیراعظم نے کہا کہ اس وجہ سے دفعہ ۳۷۰ کو عارضی قرار دیا گیا تھا۔ لیکن ریاست کی آئین ساز اسمبلی نے اس دفعہ میں کوئی ترمیم تجویز کئے بغیر ہی ۱۹۵۶ء میں اپنا کام مکمل کر دیا۔ اس طرح ۱۹۵۶ء سے یہ دفعہ آئین کا ایک مستقل حصہ بن گئی ہے۔

وزیراعظم نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں کشمیر کے سوال پر مرکز اور شیخ عبداللہ مذاکرات کا پس منظر بیان کیا۔ مسز گاندھی نے مسٹر پارتھا سارتھی اور مرزا محمد افضل بیگ کے درمیان مذاکرات کے متعلقہ نتائج کی کاپیاں' ان کی خط و کتاب کی نقول اور مسز گاندھی اور شیخ عبداللہ کی طرف سے معاہدے کی تصدیق کرنے والی آخری خط و کتاب کی نقول بھی ایوان کی میز پر رکھیں۔

معاہدہ دہلی میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر ریاستی حکومت ۵۳ء کے بعد نافذ شدہ متفقہ فہرست میں شامل بعض قوانین مثلاً سوشل ویلفیئر اقدامات' کلچرل معاملات' سوشل سیکورٹی پروسیجرل قوانین اور ان سے ملتے جلتے دوسرے قوانین کو تبدیل کرنا چاہئے۔ تو مرکز اس خواہش پر ہمدردانہ غور کرے گا۔ الیکشن کمیشن کے کنٹرول اور ریاستی گورنر کے اختیارات جیسے معاملات میں اس معاہدے میں اقرار کیا گیا ہے کہ ریاستی آئین میں لائی گئی کوئی تبدیلی' اسی صورت میں نافذ العمل ہو گی' جب ایسے مسودہ قانون پر صدر ہند کے دستخط ثبت ہوں گے۔

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اس بات کا انکشاف بھی کیا کہ مرکزی حکومت نے مرزا محمد افضل بیگ کی یہ تجویزیں مسترد کر دی ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر پر سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار گھٹایا جائے۔ بنیادی حقوق سے متعلق دفعات کو ریاستی آئین کی طرف منتقل کیا جائے۔ ریاستی قانون سازیہ کے انتخابات پر مرکزی الیکشن کمیشن کی نگرانی اور کنٹرول اٹھایا جائے اور دفعہ ۳۵۶ میں ترمیم کر کے ریاست پر صدر راج نافذ کرنے سے پہلے ریاستی حکومت کی منظوری حاصل کرنا ضروری قرار دیا جائے۔

وزیراعظم نے کہا کہ ریاست میں "وزیراعظم" کا لقب اختیار کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے اگر ریاستی قانون سازیہ اپنے دستور میں اس نوعیت کی ترمیم پاس کرے۔ تاہم راجیہ سبھا میں اس استثناء کی صراحت پیش کرتے ہوئے مسز اندرا گاندھی نے کہا کہ "وزیراعظم" کا لقب صرف ریاست جموں و کشمیر کی حدود میں

استعمال کرنے کی اجازت ہو گی۔ اور مرکز کشمیر کے وزیراعلیٰ سمیت سب ہی بڑے وزرائے ریاست کو وزیراعلیٰ کے نام سے پکارتا رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ کم از کم ایک اور ریاست تامل ناڈو کو یہ رعایت حاصل ہے کہ وہ بڑے وزیر کے لئے اپنا ایک نام استعمال کر سکتی ہے۔

معاہدہ میں یہ قول و قرار بھی موجود ہے کہ مرکز کے پاس ریاست میں قوم دشمن اور علیحدگی پسند عناصر کی سرگرمیوں کی روک تھام کرنے کے لئے اختیارات بدستور موجود رہیں گے۔

بہرحال اندرا عبداللہ معاہدہ کے ذریعے نئی دہلی کے اس موقف کہ مملکت ہند' جموں و کشمیر کے بارے میں اپنے اختیارات سے انحراف نہیں کرے گی اور شیخ محمد عبداللہ کے اس اصرار کے درمیان کہ اسے اپنے پیروکاروں کے سامنے کوئی حاصل پیش کرنے کے لائق رکھا جائے ایک راستہ دریافت کرنا ہی تھا۔ یہ معاہدہ اسی بات کی تکمیل کی غرض پوری کر رہا ہے۔ لیکن واضح کیا گیا کہ ریاست اگست ۱۹۵۳ء کی اس پوزیشن پر واپس نہیں جا سکے گی۔ جس پوزیشن میں شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمیٰ سے معزول کر دیا گیا تھا۔ لیکن ریاستی قانون سازیہ کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ ایسے قوانین پر نظر ثانی کرے' جن کے بارے میں قانون سازی کے اختیارات مرکز اور ریاست دونوں کو حاصل ہیں۔ گورنر کے اختیارات و مراعات' الیکشن کمیشن کا حد اختیار اور الیکٹورل رولز کی ضابطہ بندی کے بارے میں ریاستی آئین میں کوئی ترمیم اس وقت تک موثر اور نافذ العمل نہیں ہو سکے گی' جب تک نہ صدر کی منظوری حاصل کی جائے۔ اس کو (شیخ عبداللہ) تسلیم کرایا گیا کہ ایسا ریاست کے مفاد میں نہیں ہو گا۔۔۔ اسی طرح وہ ریاست کی طرف سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار کی توسیع کے بھی زبردست مخالف تھے۔ اور ان میں انقلابی ترمیمات چاہتے تھے۔ یہ ناممکن دکھائی دیا۔ تاہم شیخ محمد عبداللہ سپریم کورٹ کی مرافعت سے متعلق حدود Appellate Jurisdicition ان مقدمات تک محدود کرنے میں کامیاب ہو گئے جن میں ہائی کورٹ کی طرف سے خصوصی اجازت Special Leave دی جاتی ہے۔

ریاست کے اندر آئینی مشینری کے ناکام ہونے کی صورت میں ریاست پر مرکزی حکمرانی کا نفاذ عمل میں لانے کے لئے آئین میں جو ایمرجنسی دفعات خاص کر دفعہ ۳۵۶ شامل ہیں' ان میں کوئی تبدیلی نہیں لائی گئی ہے۔ شیخ محمد عبداللہ چاہتے

تھے۔ کہ اس سوال کو ایک ناگہانی ضرورت تصور کرتے ہوئے ریاستی حکومت کی پیشگی منظوری پر منحصر رکھا جائے۔۔ مرکز نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ شیخ محمد عبداللہ اس بات پر بھی اصرار کرتے رہے کہ جموں وکشمیر میں مملکت کے سربراہ اور انتظامیہ کے سربراہ کے لئے قبل ۵۳ء کی اصطلاحات Nomen clature بحال کر دی جائیں۔ اپنی پوزیشن کے جواز کی جدوجہد میں اسے ان اصطلاحات میں علامتی قیمت Symbolic Value نظر آ رہی تھی۔ لیکن یہ مانگ بھی تسلیم نہیں کی گئی اس طرح ریاست کے سربراہ کا پرانام نام بھی بحال نہیں ہوگا۔ اسے صدر ریاست کے نام سے نہیں بلکہ بدستور گورنر کے نام سے پکاراجاتا رہے گا۔ اسی طرح انتظامیہ کے سربراہ کے موجودہ نام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اسے چیف منسٹر(وزیراعلیٰ) کے نام سے پکارا جاتا رہے گا۔ ہاں البتہ ریاستی اسمبلی یہ فیصلہ کرنے میں آزاد ہو گی کہ وہ جموں وکشمیر کے داخلی استعمال کے لئے چیف منسٹریا وزیراعلیٰ) کا اردو ہم معنی لفظ۔۔ وزیراعظم۔۔ چن لے"۔

وزیراعظم مسزاندراگاندھی کی طرف سے مرکز شیخ معاہدے کا اعلان ہونے کے بعد چند منٹ کے اندر اندر شیخ عبداللہ نے نئی دہلی سے ایک بیان جاری کیا' جس میں آپ نے کہا کہ " قانونی اور آئینی انتظامات بنیادی افہام و تفہیم کے اظہار کا ایک ذریعہ ہیں۔ گاندھی جی' مولانا آزاد' پنڈت نہرو' اور خان عبدالغفار خان کے ساتھ اپنی رفاقت یاد دلاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو جمہوریت' سیکولرازم' اور مساوات و سماجی انصاف پر مبنی سوسائٹی کے ساتھ عقیدت نے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لیا۔ یہ ان ہی مشترکہ اصولوں پر ایمان کا نتیجہ تھا کہ جس نے ہمیں ہندیونین کے ساتھ شامل ہونے میں رہبری کی۔ اور ان کے ایک خادم کی حیثیت سے میں نے الحاق کی تصدیق کی۔ بعد میں بھارتی دستور ساز اسمبلی کے ایک رکن کی حیثیت سے میں نے ہندوستانی آئین کے بنانے میں اپنی خدمات ادا کیں' اور میں بھی اس آئین پر دستخط کرنے والوں میں شامل تھا' ۵۳ء میں اپنی گرفتاری' معزولی اور نظربندی کے لمبے سلسلہ کا تذکرہ کرنے کے بعد شیخ عبداللہ نے مرکز کے ساتھ اپنے مذاکرات کے آغاز کا سراغ دکھاتے ہوئے کہا کہ ابتدا" جواہر لعل نہرو تھے جنہوں نے مکالمہ شروع کرانے میں پہل کی تھی۔ بدقسمتی سے ان کی موت نے اس میں رکاوٹ ڈالی' لیکن پھر دوبارہ اس مکالمے کو جاری کرنے پر سوچ بچار کرنے اور مجھے ایک بار پھر بلکہ زیادہ بھرپور

طریقے پر ملک اور ریاست کی سیاسی زندگی میں شامل کرنے کا سہرا پنڈت نہرو کی صاحبزادی وزیراعظم مسزاندراگاندھی کے سر ہے میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں اپنی خدمات وقف کرنے پر تیار ہوں۔ میں نے ان پر واضح کیا کہ جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے میں اسی وقت موثر بن سکتا ہوں' جب ۱۹۵۳ء کی وہ صورت حال بحال کر دی جائے جب میں اپنے عہدے پر فائز تھا۔

انہوں نے کہا کہ میرے رفیق کی حیثیت سے اور محاذ رائے شماری کے صدر کی حیثیت سے بیگ صاحب نے پہلے ہی کہا ہے کہ وزیراعظم اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مذاکرات کے اختتام پر جو خوش گوار تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ان کی بدولت وہ بدلا ہوا منظر سامنے آتا ہے جس میں پارٹی کا نصب العین حاصل کرنے کے لئے رائے شماری کا راستہ بے محل اور غیر متعلقہ بن گیا ہے۔ انہوں نے (بیگ صاحب) یہ بھی کہا ہے کہ اب مناسب عمل کا آغاز کیا جائے گا۔ میں اپنی طرف سے پارٹی امتیازات سے بالاتر رہ کر ریاست کی سیکولر اور جمہوری قوتوں کی تنظیم نو کرنے کی کوششوں میں ہاتھ بٹاؤں گا"۔

معاہدہ دہلی پر صادکرتے وقت شیخ عبداللہ اپنا سب کچھ بھول گئے۔ تاریخ کے محافظ خانے میں درج اپنے تمام بیانات۔ انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ۹ اگست ۱۹۷۰ء کو پتھر مسجد سری نگر کے ایک بھاری عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا:

" ۹ اگست کے واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا ہے کہ بڑی طاقت اور چھوٹی طاقت' طاقت ور انسان اور کمزور انسان کے درمیان جو عہد وپیمان یا معاہدہ طے پاتا ہے وہ قائم نہیں رہتا۔ ہم نے ہند کے ساتھ جومعاہدے طے کئے تھے' اندازے کی غلطی کی وجہ سے کئے تھے۔ ۹ اگست کے واقعہ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ دو غیر متوازن جماعتوں میں جن میں ایک طاقت ور دوسری کمزور ہو کوئی معاہدہ قائم نہیں رہ سکتا۔ شری نہرو نے بار بار یہ وعدہ دہرایا کہ کشمیر میں حالات ٹھیک ہوتے ہی وہاں کے لوگون کو اپنے مستقبل کا آپ فیصلہ کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ شری نہرو نے یہ وعدہ کشمیر' ہندوستان' ہند کے ایوانوں اور بین الاقوامی اداروں میں دہرایا۔ یہ بات وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ طاقت اور دولت کے بل بوتے پر اپنے وعدے سے انحراف کریں گے"

شیخ عبداللہ کا نیا عہدہ

ہند پارلیمنٹ میں معاہدہ دہلی کا اعلان ہونے کے بعد ہی اسمبلی میں کانگریس کی پارلیمانی پارٹی نے وزیر اعلیٰ مسٹر میر قاسم کو بدل کر شیخ محمد عبداللہ کو اپنا قائد ایوان چن لیا۔ شیخ محمد عبداللہ کا نام خود قائد ایوان سید قاسم میر نے پیش کیا' اور مسٹر گردھاری لال ڈوگرہ نے تجویز کی تائید کی۔ وزیراعلیٰ کے عہدہ پر بیٹھنے کے لئے تمام رسمی کارروائیوں کو پورا کرنے کے لئے جب ۲۶ فروری کو شیخ محمد عبداللہ اور ان کی کابینہ کے ۳ اراکین کو جموں کے راج بھون میں حلف برداری کی رسم انجام دینے کے لئے حاضر ہونا تھا تو خود شیخ عبداللہ آدھا گھنٹہ تاخیر سے محفل حلف میں پہنچ گئے۔ کیونکہ پارلیمنٹ میں وزیراعظم کی طرف سے معاہدہ دہلی اور متعلقہ تفصیلات کا اعلان سننے کے بعد شیخ عبداللہ کے عقیدت مند بھی مایوس اور شرمسار ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جواہر لال نہرو کے وقت سے لیکر آج تک مرکز اور شیخ صاحب کے درمیان جو مکالمہ جاری رہا' آخر اس کا حل شیخ صاحب کے لئے چیف منسٹری کے حصول کے بغیر اور کچھ نہیں نکلا۔ شیخ عبداللہ جانتے تھے کہ معاہدے کا متن کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو پڑھ کر محاذ والوں کا سر اونچا ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کی خواہش تھی کہ معاہدے کا متن فی الفور منظر عام پر نہ لایا جائے۔ جب اس پیکٹ کا متن پارلیمنٹ کے ذریعے ساری دنیا کے سامنے آگیا تو شیخ عبداللہ مسز گاندھی سے برہم و بیزار ہو گئے' وہ روٹھ گئے اور اپنے ساتھیوں سے بھی بدول ہو گئے۔ کیونکہ پارلیمنٹ کا اعلان ان کے قد کو اور زیادہ اونچا کرنے کے بجائے پست بنا رہا تھا۔ اسی ذہنی کشمکش کے عالم میں انہوں نے حلف اٹھانے کے لئے راج بھون جانے سے انکار کر دیا۔ آخری بار کہتے ہیں کہ مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر میر قاسم نے انہیں منوا لیا۔ اور انہوں نے راج بھون جا کر حلف وفاداری اٹھا ہی لیا۔ اسی روز نئے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے شیخ محمد عبداللہ نے ایک اخباری کانفرنس میں اپنی بے زاری کا اظہار ان الفاظ کے ساتھ کیا۔

" معاہدہ کی اشاعت اور اس کی کچھ تشریحات بے محل اور غلط ہیں۔ میں اس ضمن میں کوئی نامناسب بحث نہیں چھیڑنا چاہتا ہوں۔ میں سمجھوتے کے حقائق جلد عوام کے سامنے رکھوں گا۔ صدر ریاست اور وزیراعظم کے ناموں کے بارے میں جو

کچھ طے ہوا ہے وہ اس سے مختلف ہے جو پارلیمنٹ میں بتایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حقائق جلد ہی منظر عام پر لائے جائیں گے۔"

(معلوم نہیں کہ وہ حقائق آج تک عوام کے سامنے کیوں نہ آئے)

شیخ عبداللہ نے وزیر اعلیٰ کا عہدہ تو ضرور سنبھال لیا' لیکن اس موقعہ پر ان کے حافظہ میں شاید ان ہی کی یہ باتیں موجود نہ تھیں۔ ان سے ایک انٹرویو میں پوچھا گیا تھا کہ "کیا آپ دوبارہ کشمیر کا چیف منسٹر بننا پسند کریں گے۔۔۔۔ ؟ انہوں نے جواب دیا تھا کہ " نہیں ! کیونکہ وہی شخص جس کو حکومت ہند کا اعتماد حاصل ہو' کشمیر کا چیف منسٹر بن سکتا ہے ..... آپ نے مجھے چیف منسٹری کی پیشکش کی' کچھ مجھے وزارت عظمیٰ پیش کر چکے ہیں۔ لیکن سی' ایم اور پی' ایم بجائے خود کوئی مقصد نہیں مسائل عہدے قبول کرنے سے حل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ عمل کرنے سے"۔